استاد شہید مرتضیٰ مطہریؒ

توبہ
کیا ہے؟ کیسے قبول ہوتی ہے؟

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ

دار الثقلین

Albirr Online Libraray

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام جعفر صادق علیہ السلام

اِحْتَفِظُوا بِکُتُبِکُمْ فَإِنَّکُمْ سَوْفَ تَحْتَاجُونَ إِلَیْهَا

اپنی کتابوں کی حفاظت کرو کیونکہ جلد تمہیں اس کی ضرورت پیش آئے گی

(الکافی، ج ۱، ص ۵۲، ح ۱۰، صحیح السند روایت ہے)

آن لائن البر
اسلامی تحقیقاتی مرکز
پاکستان
albirronline.net

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المہدی اسلامک سنٹر
۰۹۲-۵۱-۲۸۵۲۰۶۶

توبہ کیا ہے؟
کیسے قبول ہوتی ہے؟

تقاریر

استاد شہید مرتضیٰ مطہریؒ

ترجمہ

شیخ سجاد حسین مہدوی

یکے از مطبوعاتِ
دارالثقلین
پوسٹ بکس نمبر ۲۱۳۳-کراچی ۷۴۶۰۰-پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دار الثقلین
DARUSSAQLAIN
P.O. Box No. 2133,
Karachi-74600 Pakistan

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

نامِ کتاب: توبہ کیا ہے؟ کیسے قبول ہوتی ہے؟
اثر: استاد شہید مرتضیٰ مطہریؒ
ترجمہ: شیخ سجاد حسین مہدوی
نظرِ ثانی: سید سعید حیدر زیدی
ناشر: دار الثقلین
طبع اول: ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ، مئی ۲۰۰۵ء
طبع پنجم: رجب ۱۴۳۳ھ، جون ۲۰۱۲ء
قیمت: ۴۵ روپے

فہرست

عرضِ ناشر ـــــ ۷
پہلا خطاب ـــــ ۹
توبہ کیا ہے؟ ـــــ ۱۱
توبہ یعنی راہ بدلنا ـــــ ۱۲
توبہ انسان کا امتیاز ہے ـــــ ۱۳
توبہ یعنی خود انسان کے اندر سے قیام ـــــ ۱۵
تربیت کا غلط انداز ـــــ ۱۵
توبہ کی کیفیت کیسے پیدا ہوتی ہے ـــــ ۱۹
عمل کے بغیر آخرت بخیر نہیں ہو گی ـــــ ۲۷
جوانی توبہ کا بہترین وقت ـــــ ۲۸
استغفار کی حقیقت ـــــ ۳۱
دوسرا خطاب ـــــ ۳۹
توبہ کی مہلت کب تک ہے؟ ـــــ ۴۰
توبہ کی شرائط ـــــ ۴۸
غیبت کی مذمت ـــــ ۴۹

☆......☆......☆

فرمانِ الٰہی

"فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ
فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ."

"پھر ظلم کے بعد جو شخص توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے'
تو خدا اس کی توبہ قبول کرلے گا' کہ اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔"
(سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۳۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

خدا کی معرفت اور اُس کی عبادت قربِ الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن اکثر اوقات انسان کی بے توجہی اور غفلت اُسے اپنے اِس مقصد سے گمراہ کردیتی ہے اور وہ خدا کی بندگی کی راہ چھوڑ بیٹھتا ہے' گمراہ ہوجاتا ہے۔

انسان کو اس گمراہی سے راہِ راست پر لانے اور اس غفلت سے اسے ہوشیار کرنے کی غرض سے خداوندِ عالم نے انسان کے اندر اور اس کے باہر سے اہتمام کیا ہے۔

باہر سے انبیا اور اولیائے الٰہی انسان کی رہنمائی کرتے اور اسے متنبہ کرتے ہیں۔ جبکہ اندر سے اُس کا ضمیر اسے بیدار کرتا ہے' اس میں پچھتاوا پیدا کرتا ہے اور یوں راہِ راست سے بھٹکا ہوا' خدا کی مخالف سمت چلتا ہوا یہ انسان اپنی سمت بدل کر راہِ راست' صراطِ مستقیم اور خدا کے راستے پر گامزن ہوجاتا ہے۔

دراصل یہی متنبہ ہونا' نادم ہونا' پشیمان ہوکر تبدیل ہونے پر تیار ہونا اور اپنا رُخ بدل لینا توبہ ہے۔

زیرِ نظر تحریر "توبہ" کے موضوع پر استاد شہید مرتضیٰ مطہریؒ کی دو تقاریر کا مجموعہ ہے' جو انہوں نے ۲۵ اور ۲۶ رمضان ۱۳۹۰ھ کو حسینیۂ ارشاد تہران' ایران میں کی تھیں۔ آج قریب

۳۶'۳۷ برس گزر جانے کے باوجود ان تقاریر کی تازگی اسی طرح محفوظ ہے آج بھی استاد مطہریؒ کا ایک ایک لفظ دل کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور اُن کے لہجے کا اخلاص اُن کے بیان کردہ مفاہیم کو دل میں اتار دیتا ہے۔

ان تقاریر میں استاد مطہریؒ کی طرف سے توبہ کے مفہوم کی وضاحت اور ان کے دل نشین ہونے کی صلاحیت ہی اس بات کا باعث بنی کہ دارالثقلین نے انہیں اردو زبان میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔

تقریر کو تحریر کی صورت میں لانا ایک دشوار کام ہے، بالخصوص دوسری زبان میں کی گئی تقریر کے ترجمے کو تحریری صورت دینا تو اور دشوار ہو جاتا ہے۔ بہر صورت بہتر سے بہتر ترجمے کے بعد بھی سرخیاں، بریکٹ، اور بعض الفاظ کے معنی حاشیے میں لکھ کر ہم نے کوشش کی ہے کہ مقرر کی پوری پوری بات پڑھنے والوں تک پہنچ سکے۔ اس سلسلے میں ہم کتنے کامیاب رہے ہیں اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

قارئین کے مشوروں، تجاویز اور تنقید کی صورت میں ہماری رہنمائی ہمیں اپنے کام کو بہتر سے بہتر کرنے میں مدد دیتی ہے۔ لہٰذا ہم ہمیشہ اس کے منتظر رہتے ہیں۔

والسلام

☆......☆......☆

پہلا خطاب

یہ خطاب ۲۵ رمضان ۱۳۹۰ھ کو حسینیۂ ارشاد تہران ایران میں کیا گیا۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

''اَلحَمدُ للّٰہ رَبِّ العٰالَمِینَ بارِیءِ الخَلاٰءِ قِ اَجمَعینَ وَ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلاٰمُ عَلٰی عَبدِ اللّٰہِ وَرَسُولِہِ وَحَبیبِہِ وَصَفِیِّہِ' وَحَافِظِ سِرِّہِ وَ مُبَلِّغِ رِسَالاٰتِہِ سَیِّدِنا وَنَبِیِّناوَمَولاٰناٰاَبِی القَاسِمِ مُحَمَّد ﷺ وَ عَلٰی آلِہِ الطَّیِّبِینَ الطَّاھِرِینَ المَعصُومِینَ. اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطانِ الرَّجیم.''

'' وَذَاالنُّونِ اِذْ ذَّھَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقدِرَعَلَیہِ فَنادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنتَ سُبحٰنَکَ اِنِّی کُنتُ مِنَ الظّٰلِمِینَ فَاستَجَبنَا لَہُ وَ نَجَّینٰہُ مِنَ الغَمِّ وَ کَذٰلِکَ نُنجِی المُؤمِنِینَ.''

(سورۂ انبیا۲۱۔ آیت ۸۷۔۸۸)

ہم عبادت اور دعا کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔(۱) گزشتہ دو راتوں میں ہم نے عرض کیا تھا کہ اگر عبادت اور عبودیت صحیح شکل وصورت کے ساتھ انجام دی جائے' تو لامحالہ اور لازماً انسان کے ذاتِ اقدسِ الٰہی سے حقیقی تقرب کا سبب ہوگی۔ انسان عبودیت کے ذریعے خدا سے نزدیک ہو جاتا ہے اور اس (نزدیکی) میں مجاز کا شائبہ بھی نہیں

۱۔ اس گفتگو کا اردو ترجمہ دارالثقلین ''عبادت اور نماز'' کے نام سے شائع کر چکا ہے۔

ہے۔ بالفاظ دیگر عبودیت ''سلوک'' ہے' حرکت ہے' پروردگار کی سمت گامزن ہونا ہے۔

آج کی رات ہم ''سلوک'' کے سب سے پہلے مرحلے کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ اگر انسان' اپنے پروردگار کی طرف سلوک (سفر) کرنا چاہتا ہے اور مقام قرب خداوندی تک پہنچنے کا خواہشمند ہے' تو اسے اس منزل' اس مرحلے اور اس نقطے سے آغاز کرنا چاہئے۔ اور جس چیز کی ہمیں ضرورت ہے' وہ یہی ہے۔ یعنی ہم لوگ' جنہوں نے اس طرف ایک قدم بھی نہیں بڑھایا' ہمارے لئے سالکین کی اعلیٰ منازل کے بارے میں گفتگو بے سود ہے۔ اگر ہم مرد عمل بننا چاہتے ہیں' تو ہمیں دیکھنا ہوگا کہ قرب الٰہی اور پروردگار کی جانب سلوک کی پہلی منزل کیا ہے؟ اس کا پہلا مرحلہ کیا ہے؟ اور ہم کہاں سے اپنی عبودیت اور عبادت کا آغاز کریں؟

خدا کی جانب سلوک کی سب سے پہلی منزل ''توبہ'' ہے۔ آج کی رات ہم توبہ کے بارے میں گفتگو کا آغاز کرنا چاہتے ہیں۔

توبہ کیا ہے؟

توبہ کے کیا معنی ہیں؟ نفسیاتی اعتبار سے انسان کے لئے توبہ کی حقیقت کیا ہے اور معنوی لحاظ سے یہ انسان پر کیا اثر مرتب کرتی ہے؟

ہم میں سے بہت سے لوگوں کے خیال میں توبہ ایک بہت ہی سادہ سی چیز ہے۔ ہم کبھی یہ نہیں سوچتے کہ آؤ چلیں نفسیاتی لحاظ سے توبہ کا تجزیہ کریں۔

بنیادی طور پر توبہ حیوانات کے مقابل انسان کا ایک امتیاز ہے۔ یعنی انسان میں متعدد اعلیٰ امتیازات' خصوصیات' کمالات اور صلاحیتیں ایسی پائی جاتی ہیں جن میں سے کوئی ایک بھی حیوانات میں موجود نہیں۔ انہی اعلیٰ صلاحیتوں میں سے ایک یہی ''توبہ'' ہے۔

توبہ کے وہ معنی ومفہوم جس کی ان شاءاللہ ہم آپ کے سامنے وضاحت کریں گے' اس میں توبہ یہ نہیں ہے کہ ہم محض زبان سے اَستَغفِرُ اللّٰہَ رَبِّی وَاَتُوبُ اِلَیہِ بول دیں۔ بات

صرف زبان سے الفاظ کی ادائیگی کی نہیں ہے۔ توبہ ایک نفسیاتی اور روحانی حالت' بلکہ انسان کے اندر ایک روحانی انقلاب ہے' اور اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّی وَاَتُوبُ اِلَیْه اس حالت کا اظہار ہے' خود وہ حالت نہیں ہے' خود توبہ نہیں ہے۔ اُن بہت سی چیزوں کی مانند جن میں لفظ خود اُس چیز کی حقیقت نہیں ہوتا بلکہ اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔

یہ جو ہم دن میں کئی مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّی وَاَتُوبُ اِلَیْه بولتے ہیں' اس سے ہمیں یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ ہم دن میں کئی مرتبہ توبہ کرتے ہیں۔ ہم اگر روزانہ ایک مرتبہ بھی سچی توبہ کرلیں' تو یقیناً قربِ الٰہی کے مراحل اور منزلیں حاصل کرلیں۔

توبہ یعنی راہ بدلنا

تمہید کے طور پر کچھ عرائض پیش خدمت ہیں' توجہ فرمائیے:

جمادات' نباتات اور حیوانات کے درمیان ایک فرق پایا جاتا ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ جمادات میں خود اپنا راستہ بدلنے کی صلاحیت نہیں پائی جاتی' وہ از خود اپنا رخ بدلنے پر قادر نہیں ہیں۔ جیسے زمین کی سورج کے گرد یا خود اپنے محور پر گردش' یا وہ حرکتیں جو تمام ستارے اپنے مدار میں کرتے ہیں' یا اُس پتھر کی حرکت جو اوپر سے چھوڑنے پر زمین کی طرف آتا ہے۔ یہ بات مسلّم اور قطعی ہے۔ یعنی وہ پتھر جسے آپ چھوڑتے ہیں اور وہ ایک معین راستے پر چلتا ہے' اسی راستے پر اور اسی رُخ پر رواں دواں رہتا ہے۔ خود اس پتھر کے لئے اپنے راستے کی تبدیلی اور رُخ کا بدلنا ممکن نہیں ہے۔ اس پتھر اور اس جماد کا راستہ بدلنے کے لئے باہر سے کسی عامل کا اس پر اثر انداز ہونا ضروری ہے۔ اب خواہ یہ عامل کوئی مجسم شے ہو یا ہوا کے ایک جھونکے کی مانند کوئی چیز ہو۔ مثلاً جن ''اپالوز'' یا ''لونا'' کو فضا میں بھیجا جاتا ہے وہ از خود کبھی اپنا راستہ تبدیل نہیں کرتے' ماسوا یہ کہ راستے کی تبدیلی کے لئے باہر سے اُنہیں ہدایت دی جائے۔ لیکن نباتات اور حیوانات جیسے زندہ موجودات میں خود اپنے آپ اپنا راستہ تبدیل کرلینے کی استعداد پائی جاتی ہے۔ یعنی اگر وہ ایسے حالات کا سامنا کریں جو ان

کی زندگی کی بقا کے لئے سازگار نہ ہوں' تو وہ اپنا راستہ بدل لیتے ہیں۔ یہ چیز حیوانات میں تو بہت ہی واضح ہے۔ مثلاً ایک بھیڑ' ایک کبوتر یا حتیٰ ایک مکھی بھی جب چلتی ہے' تو جوں ہی کسی مشکل کو سامنے پاتی ہے' فوراً اپنا راستہ بدل لیتی ہے۔ حتیٰ ممکن ہے وہ ایک سو اسی درجے گھوم جائے۔ یعنی اپنی پہلی سمت سے یکسر مخالف سمت میں حرکت شروع کردے۔ حتیٰ نباتات بھی ایسے ہی ہیں۔ یعنی نباتات بھی خاص حالات اور معینہ حدود میں اپنے اندر سے اپنی ہدایت کرتے ہیں' اپنا راستہ تبدیل کرتے ہیں۔ ایک درخت کی جڑیں جو زیرِ زمین حرکت کرتی ہیں اور ایک سمت کو چل رہی ہوتی ہیں' اگر کسی چٹان کا سامنا کریں' اب چاہے اُس تک پہنچی ہوں یا نہ پہنچی ہوں' از خود اپنا راستہ بدل لیتی ہیں۔ جیسے ہی انہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانے کی جگہ نہیں ہے' وہاں کوئی گزرگاہ اور راستہ نہیں ہے' تو فوراً اپنا راستہ تبدیل کرلیتی ہیں۔

واضح ہے کہ انسان بھی اس حد تک نباتات اور حیوانات کی مانند ہے' یعنی اپنا راستہ تبدیل کرلیتا ہے۔

توبہ سے مراد انسان کا راہ بدل لینا ہے۔ البتہ سادہ سا راہ بدل لینا نہیں' جیسے ایک پودا اپنا راستہ بدلتا ہے' یا جس طرح حیوان اپنا راستہ بدل لیتا ہے۔ بلکہ اس انداز سے راہ بدلنا مراد ہے جو انسان کا خاصہ ہے۔ اور یہ نفسیاتی اور روحانی نکتۂ نظر سے قابل تجزیہ و تحلیل اور تحقیق کے لائق ہے۔

توبہ انسان کا امتیاز ہے

''توبہ'' ایک قسم کا باطنی انقلاب ہے' ایک قسم کا قیام ہے' انسان کا خود اپنے خلاف ایک قسم کا انقلاب ہے۔ اس لحاظ سے یہ انسان کے امتیازات میں سے ہے۔ نباتات اپنا راستہ بدلتے ہیں لیکن اپنے خلاف قیام نہیں کرتے' کر بھی نہیں سکتے' اُن میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔

جمادات اور نباتات کے درمیان فرق یہ ہے کہ جمادات اپنی بقا کے لئے خود سے

اپنا راستہ تبدیل نہیں کر سکتے، جبکہ یہ حیرت انگیز صلاحیت نباتات میں پائی جاتی ہے (حیوانات میں بھی موجود ہے)۔

انسان میں اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز صلاحیت موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ خود اپنے خلاف قیام کرتا ہے، حقیقتاً قیام کرتا ہے۔ اپنے خلاف انقلاب بپا کرتا ہے، واقعاً انقلاب بپا کرتا ہے۔

دو مختلف اور باہمی طور پر جدا جدا چیزیں (ایک دوسرے کے خلاف) قیام اور انقلاب بپا کر سکتی ہیں۔ مثلاً ایک ملک میں معاملات کی باگ ڈور کچھ لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے، بعد میں کچھ دوسرے لوگ ان کے خلاف قیام اور انقلاب بپا کر دیتے ہیں۔ یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے۔ (کیونکہ) جن لوگوں کے خلاف انقلاب بپا ہوا ہے وہ دوسرے افراد ہیں اور جنہوں نے انقلاب بپا کیا ہے وہ دوسرے لوگ ہیں۔ اُنہوں نے اِن پر ظلم کیا تھا، اُنہیں ناراض اور باغی بنا دیا تھا، جو ان کی طرف سے بغاوت اور انقلاب کا سبب بنا اور انہوں نے اچانک انقلاب بپا کر دیا، زمامِ حکومت ان سے چھین لی اور ان کی جگہ پر خود بیٹھ گئے۔ اس میں کوئی نہ ہونے والی بات نہیں۔ لیکن ایک انسان کے خود اپنے اندر سے انقلاب اٹھنا، خود اپنے خلاف قیام کرنا، یہ کیسے ممکن ہے؟

کیا ممکن ہے کہ ایک شخص خود اپنے خلاف اٹھ کھڑا ہو؟

ہاں ممکن ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک شخص ہے، جبکہ اس کے اس خیال کے برخلاف ایسا ہے نہیں۔ وہ ایک واحد شخص ہے لیکن ایک مرکب شخص ہے، بسیط شخص نہیں ہے۔(۱) یعنی ہم جو یہاں بیٹھے ہیں، حدیث میں آنے والی تعبیر کی رو سے ایک جماد یہاں بیٹھا ہے، ایک نبات بھی یہاں بیٹھا ہے، شہوت رکھنے والا ایک حیوان بھی یہاں بیٹھا ہے

۱۔ بسیط یعنی غیر مرکب۔

ایک درندہ بھی یہاں بیٹھا ہے، ایک شیطان بھی یہاں بیٹھا ہے اور عین اسی حال میں ایک فرشتہ بھی یہاں بیٹھا ہے۔ یعنی شاعروں کے بقول انسان ایک ایسا نادر و نایاب معجون ہے جس کے وجود میں تمام خصوصیات جمع ہیں۔ کبھی وہ شہوانی حیوان (جس کا مظہر سُور کو سمجھا جاتا ہے) انسان کے وجود میں پایا جانے والا وہ سُور اُس پر حاوی ہو جاتا ہے، اور (اپنے اندر موجود) درندے، شیطان اور فرشتے کو ابھرنے کا موقع نہیں دیتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُن میں سے کوئی ایک اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے، صورتحال یکسر تبدیل ہو جاتی ہے، اور انسان کے وجود پر ایک نئی حکومت قائم ہو جاتی ہے۔

گناہ گار انسان، وہ انسان ہے جس کے اندر کا حیوان اس پر مسلط ہے، یا اس کے اندر کا شیطان اس پر مسلط ہے، یا اس کے وجود کا درندہ اس پر حاوی ہے۔ عین اُسی وقت ایک فرشتہ ایک عالی قوت بھی اس کے وجود میں محبوس اور اسیر ہے۔

توبہ، یعنی خود انسان کے اندر سے قیام

جب انسان کے وجود میں پائے جانے والے عالی مقامات اُس کے اندر موجود اس کی باطنی مملکت کے امور پر قابض پست مقامات کے خلاف یکا یک قیام کرتے ہیں، ان سب (پست مقامات) کو پکڑ کر قید میں ڈال دیتے ہیں اور خود اپنی فوج اور سپاہ کے ذریعے معاملات کی باگ ڈور سنبھال لیتے ہیں، تو یہ وہ حالت اور صورت ہے جو حیوان اور نبات میں نہیں پائی جاتی۔ اسی طرح اس کے برعکس بھی ہے، یعنی کبھی کبھی انسان کے وجود میں پائے جانے والے دانی اور پست مقامات اس کے وجود میں موجود عالی اور بلند مقامات کے خلاف قیام اور انقلاب بپا کر دیتے ہیں۔ انہیں گرفتار کر کے قید کر دیتے ہیں اور اس مملکت کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔

تربیت کا غلط انداز

اگر آپ نے تجربہ کیا ہو (تو دیکھا ہوگا کہ) کچھ لوگ جو تربیت کے فن سے واقف نہیں

ہوتے، وہ نہیں جانتے کہ انسانی وجود میں جو قوتیں موجود ہیں اُن سب میں تربیت کے حوالے سے حکمتیں اور مصلحتیں پائی جاتی ہیں۔ اگر ہمارے اندر شہوانی غرائز پائی جاتی ہیں، تو وہ لغو اور بے کار نہیں ہیں۔ ہمیں طبیعی احتیاج کی حد میں ان شہوانی غرائز کی تسکین کرنی چاہئے۔ ان کی ایک حد ہے، ایک حق ہے، ایک حصہ ہے۔ ہمیں ان کا مقررہ حصہ انہیں دینا چاہئے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے آپ سواری کے لئے اپنے گھر میں ایک گھوڑا رکھتے ہیں یا حفاظت کے لئے گھر میں ایک کتا پالتے ہیں۔ اس گھوڑے یا اس کتے کو خوراک کی ضرورت ہے، آپ پر لازم ہے کہ اسے خوراک فراہم کریں۔

اب کچھ کج سلیقہ لوگ ایسے ملتے ہیں جو اپنے آپ پر یا اپنے زیرِ کفالت بچوں پر جبر کرتے ہیں۔ بچے کے لئے کھیل کود ضروری ہے اور کھیل کود کی یہ ضرورت پروردگار کی حکمتوں میں سے ہے۔ بچے کے بدن میں انرجی کی جو مقدار اکھٹی ہوتی ہے اُسے وہ صرف کھیل کود کے ذریعے خارج کر سکتا ہے۔ بچے میں کھیل کود کے لئے غریزہ پایا جاتا ہے۔ اب ہمیں کچھ ایسے افراد نظر آتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اپنے بچوں کی تربیت کرنا چاہتے ہیں۔ بہت خوب، اچھی بات ہے۔

آپ کیسے تربیت کرنا چاہتے ہیں؟

وہ اپنے پانچ چھے سالہ بچے کو دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل کود کی اجازت نہیں دیتے، جس کسی محفل میں خود جاتے ہیں اپنے بچے کو بھی ساتھ لیجاتے ہیں۔ کیوں؟ تاکہ اس کی تربیت ہو۔ اسے ہنسنے سے منع کرتے ہیں، اسے کھانے سے منع کرتے ہیں۔ یا ایسے افراد بھی پیدا ہو گئے ہیں (ہم نے خود دیکھا ہے) کیونکہ وہ خود عمامہ پہنتے ہیں، ایک عبا ایک عمامہ اور خاص چپل بنواتے ہیں، پھر اپنے آٹھ سالہ بچے کے سر پر عمامہ رکھتے ہیں، اس کے شانوں پر عبا ڈالتے ہیں اور اسے اپنے ہمراہ لئے ادھر ادھر پھرتے ہیں۔

یہ بچہ اس حال میں بڑا ہوتا ہے کہ اس کے وجود میں پائی جانے والی احتیاجات کی تسکین نہیں ہوئی ہوتی، اس کے سامنے بس خدا، قیامت، آتش جہنم کا تذکرہ ہوتا ہے، یہاں

تک کہ بیس برس سے زیادہ عمر کو پہنچنے پر اس میں اکھٹی ہونے والی وہ قوتیں، وہ شہوتیں اور وہ تمایلات جن کی تسکین نہیں ہوئی ہوتی یکلخت زنجیر توڑ ڈالتی ہیں۔

وہ بچہ جسے آپ دیکھا کرتے تھے کہ اپنے باپ کی تلقین کے زیرِ اثر بارہ سال کی عمر میں جس کی نماز بیس منٹ طویل ہوا کرتی تھی، جو نمازِ شب پڑھا کرتا تھا، دعائیں پڑھتا تھا، پچیس سال کی عمر میں یکایک آپ کو سر سے پیر تک فسق و فجور میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔

کیوں؟

اسلئے کہ آپ نے اعلیٰ روحانی مقامات کے بہانے اس کی تمام غرائز کو کچل دیا تھا۔

البتہ بچے کی فطرت میں خدا تھا، قیامت اور عبادت تھی لیکن آپ نے خدا اور عبادت کے اس فطری جذبے کو اس انداز سے اس کے اندر مضبوط کیا کہ اس کے سارے غرائز (کی تسکین) کا راستہ روک دیا، اس کے سارے غرائز کو قید کر دیا، انہیں غضبناک اور ناراض کر دیا، انہیں جیل میں ڈال دیا، ان کا حق اور حصہ انہیں نہیں دیا۔ (اب وہ غرائز) ایک موقع کی تلاش میں تھے، جوں ہی انہیں ایک موقع ملتا ہے، جوں ہی وہ بچہ ایک فلم دیکھتا ہے یا کسی محفل میں ایک جوان لڑکی سے راہ و رسم پیدا کرتا ہے، اسی وقت یہ جمع شدہ اور کچلی ہوئی قوتیں یک بیک سارے بندھن توڑ ڈالتی ہیں اور اس عمارت کو جسے اس کے باپ نے غلط انداز میں اس کے وجود میں تعمیر کیا تھا مسمار کر ڈالتی ہیں، بالکل اسی طرح جیسے بارود پھٹتا ہے، پھٹ پڑتی ہیں۔

توبہ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ایسا انسان جو گناہ اور نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے، نفسانی خواہشات اور حیوانیت میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے، جب وہ اپنے وجود کے فرشتے کو اس قدر اذیت دیتا ہے اور اس کی خواہشات کی تسکین نہیں ہونے دیتا، تو اچانک ایک دھاکہ ہوتا ہے۔

آخر میں اور آپ بھی تو انسان ہیں، ہمارا ایک دہان نہیں ہوتا۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کا صرف ایک دہان ہے اور آپ کو فقط اسی سے غذا فراہم کی جائے، تو آپ غلط فہمی

میں مبتلا ہیں۔ آپ کے سینکڑوں دہان ہیں۔ آپ کے لاتعداد سر ہیں' لاتعداد دہان ہیں' ان سب سے آپ کو غذا پہنچنی چاہیئے۔

ان لاتعداد دہان میں سے آپ کا ایک دہان عبادت کا دہان ہے۔ آپ کے لئے ضروری ہے کہ عبادت کے ذریعے اپنی روح کی تسکین کریں۔ یعنی آپ کو اسے اس کا یہ حق اور یہ حصہ دینا چاہیئے۔ آپ ملکوتی صفات کا حامل ایک وجود ہیں۔ آپ کو اس عالم کی طرف محو پرواز ہونا چاہیئے۔ اگر آپ اس فرشتے کو قید کردیں' تو کیا آپ جانتے ہیں کہ اس کے بعد کیا بیماریاں اور کتنی زیادہ مشکلات جنم لیں گی؟

بسا اوقات آپ دیکھتے ہیں کہ ایک خوشحال گھرانے سے تعلق رکھنے والا جوان' ایک ایسا جوان جسے تمام وسائل اور آسائشیں فراہم ہیں' وہ ایک انتہائی معمولی بات پر خودکشی کر لیتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں نہ معلوم اس نے کیوں خودکشی کرلی؟ یا یہ کہتے ہیں کہ ارے یہ تو بہت چھوٹی سی بات تھی! کیوں خودکشی کرلی؟!

دراصل وہ جوان اس بات سے واقف نہیں تھا کہ اس کے وجود میں کچھ مقدس قوتیں قید تھیں۔ وہ مقدس قوتیں اُس کی زندگی کے اس انداز سے آزردہ تھیں' ان کی برداشت ختم ہو چکی تھی' جس کے نتیجے میں اس طرح کا ایک طوفان اٹھا۔

کبھی کبھی آپ دیکھتے ہیں کہ ایک انسان سب کچھ ہونے کے باوجود مضطرب اور پریشان ہے۔ بقول شاعر:

آن یکی در کنج زندان مست و شاد
و ان دیگر در باغ ترش و بی مراد

(وہ جیل کی کوٹھڑی میں بھی خوش وخرم ہے اور دوسرا باغ کے اندر رہتے ہوئے بھی غمگین اور نامراد ہے)

آپ دیکھتے ہیں کہ وہ ایک پرآسائش ماحول میں رہتا ہے' زندگی کی تمام سہولتیں اسے میسر ہیں' اس کے باوجود وہ پریشان ہے' ناخوش اور زندگی سے ناراض ہے۔

راہ لذت از درون دان نز برون
احمقی دان جستن از قصر و حصون

(لذت کا راستہ اندر سے ہے نہ کہ باہر سے۔ اس کو محل اور قلعہ میں تلاش کرنا حماقت ہے)

اسلئے کہ کچھ لذتیں ایسی بھی ہیں جو خود انسان کے اندر سے اسے پہنچنا چاہئیں نہ کہ باہر سے۔ اور یہ لذتیں انسان کی معنوی لذتیں ہیں۔

چنانچہ ''توبہ'' انسانی روح کے اعلیٰ اور مقدس مقامات کا اُس کے حیوانی اور پست مقامات کے خلاف ظاہر ہونے والا ردِعمل ہے۔

''توبہ'' یعنی انسان کی فرشتہ صفت مقدس قوتوں کا اُس کی شیطانی اور درندہ صفات قوتوں کے خلاف قیام وانقلاب۔ یہ ہے توبہ کی حقیقت۔

رجوع کرنے' ندامت اور پشیمانی کی یہ حالت انسان میں کیسے پیدا ہو جاتی ہے؟

توبہ کی کیفیت کیسے پیدا ہوتی ہے؟

پہلی بات یہ جان لیجئے کہ اگر انسان کے وجود میں کوئی ایسا عمل ہو جس کے نتیجے میں اس کے وجود میں پائے جانے والے یہ مقدس عناصر مکمل طور پر ناکارہ ہو جائیں۔ وہ ایک ایسی مضبوط زنجیر سے باندھ دیئے جائیں جس سے وہ آزاد نہ ہوسکیں' تو پھر انسان کو توبہ کی توفیق حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن جس طرح ایک ملک میں انقلاب اور تبدیلی اس وقت رونما ہوتی ہے جب وہاں اس ملک کی عوام کے درمیان پاکیزہ لوگوں کا ایک گروہ موجود ہوتا ہے' چاہے وہ گروہ بہت چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اگر انسانی وجود میں بھی کچھ مقدس اور پاک عناصر باقی بچے ہوں' تو انسان کو توبہ کی توفیق حاصل ہو جاتی ہے۔ بصورت دیگر اسے ہرگز توبہ کی توفیق نہیں ہوگی۔

اب کن حالات میں انسان رجوع کرتا ہے' پشیمان ہوتا ہے اور اگر خدا پرست ہو تو خدا

کی جانب پلٹتا ہے اور اگر خدا پرست نہ ہو تو اس میں ایک دوسری حالت پیدا ہوتی ہے، کبھی پاگل پن اور دیوانگی کا شکار ہو جاتا ہے اور کبھی دوسری صورتحال پیش آتی ہے۔

ہم نے کہا کہ "توبہ" ایک ردِعمل ہے۔ آپ ایک گیند ہاتھ میں لیجئے اور اسے زمین پر ماریئے۔ گیند زمین سے اچھلے گی۔ آپ کا گیند کو پھینکنا۔ یعنی آپ کا اپنے ہاتھ کی قوت سے گیند کو زمین پر مارنا، آپ کا عمل ہے اور گیند کا زمین سے اچھلنا ردعمل ہے۔ یہ ردِعمل گیند کے زمین سے ٹکرانے سے پیدا ہوتا ہے۔ پس وہ عمل ہے اور یہ ردِعمل، وہ فعل ہے اور یہ آج کل کی عربی اصطلاح میں ردّ الفعل ہے، وہ ایکشن ہے اور یہ ری ایکشن۔

جب آپ گیند کو زمین پر مارتے ہیں تو وہ کتنی بلند ہوتی ہے؟ اس کا تعلق ایک طرف اُس طاقت سے ہے جو اسے زمین پر مارنے میں استعمال ہوتی ہے، یعنی اُس قوت سے ہے جس سے آپ نے اُسے زمین پر مارا ہے اور دوسری طرف یہ سطحِ زمین کی کیفیت سے وابستہ ہے۔ جس قدر زمین سخت اور ہموار ہوگی؛ جس قدر وہ پختہ ہوگی، اُس کا ردِعمل زیادہ ہوگا (یعنی اتنا ہی گیند زیادہ بلند ہوگی)۔ پس ردِعمل کا تعلق ایک طرف آپ کے عمل کی شدت سے ہے اور دوسری طرف اس سطح کی سختی اور ہمواری سے ہے جس سے گیند جا کر ٹکراتی ہے۔

گناہوں کے مقابل انسانی روح کا ردِعمل بھی دو چیزوں سے وابستہ ہوتا ہے۔ ایک طرف اس کا تعلق شدتِ عمل سے ہے۔ یعنی گناہ اور نافرمانی کی شدت سے، اس ضرب کی شدت سے ہے جو آپ کی روح کے پست مقامات روح کے اعلیٰ مقامات پر لگاتے ہیں۔

انسان کا گناہ جتنا کمتر اور جتنا چھوٹا ہوگا، وہ روح میں بھی اتنا ہی کم ردِعمل پیدا کرے گا، اور جس قدر معصیت بڑی ہوگی، ردِعمل بھی اتنا ہی زیادہ ایجاد کرے گی۔ لہٰذا وہ لوگ جو بہت زیادہ شقی القلب اور سنگدل ہوتے ہیں، اپنی شقاوت اور قساوتِ قلبی کے باوجود اگر ان کا گناہ بہت بڑا ہو، تو ان کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی روح ردِعمل ظاہر کرتی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ وہ امریکی پائلٹ جس نے وہ (ایٹم) بم لے جا کر ہیروشیما پر پھینکا تھا، جب وہ واپس آنے کے بعد اپنے عمل کے اثر پر ایک نظر ڈالتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس نے ایک شہر نذرِ

آتش کر دیا ہے، بوڑھے جوان، مرد عورت، چھوٹے بڑے سب ایک دھکتے ہوئے جہنم میں جل رہے ہیں۔ اسی وقت اس کے ضمیر میں ہلچل مچ جاتی ہے، وہ اسے ملامت کرتا ہے۔ حالانکہ ایسے لوگوں کو سنگدل ترین افراد میں سے منتخب کیا جاتا ہے۔

جب وہ (ہواباز) اپنے ملک لوٹتا ہے تو اس کا استقبال کیا جاتا ہے، اس کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں، اسے اعلیٰ عہدے پر ترقی دی جاتی ہے، اس کی تنخواہ میں اضافہ کیا جاتا ہے، اخبارات میں اس کی تصویر چھپتی ہے، اس کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ لیکن وہ ایسے عظیم ظلم کا مرتکب ہوا تھا، اس کا گناہ اس قدر بڑا تھا کہ اُس نے ایسے قسی القلب انسان کے ضمیر کو بھی بیدار کر دیا۔ یعنی اس کی روح پر لگنے والی ضرب اتنی شدید تھی کہ ایسے سنگدل انسان کی روح بھی ردِعمل ظاہر کئے بنا نہ رہ سکی۔ یہ شخص بھی جب پارٹیوں میں جاتا تو ہنستا مسکراتا، لوگوں کو بتاتا کہ اس نے یہ کیا وہ کیا، لیکن جب وہ تنہا ہوتا، جب بستر میں سونے کے لئے لیٹتا، تو یکدم وہ منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتا، (وہ سوچتا کہ) ہائے! یہ میں تھا جس نے اتنا بڑا جرم کیا! وائے ہو مجھ پر! میں کیسے عظیم ظلم کا مرتکب ہوا ہوں! نتیجتاً وہ شخص پاگل ہو جاتا ہے، اس کا عمل اسے پاگل خانے لیجاتا ہے۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟

ایسا اسلئے ہوتا ہے کہ اس کا جرم بہت بڑا تھا۔

معاویہ کی فوج کا ایک سردار بسر بن ارطاۃ انتہائی سنگدل اور عجیب انسان تھا۔ معاویہ نے حضرت علیؑ کو پریشان اور بے بس کرنے کے لئے جو پالیسیاں اختیار کیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ وہ "بسر بن ارطاۃ" یا "سفیان غامدی" جیسے ایک خبیث فرد کی سربراہی میں کچھ فوجیوں کو حضرت علیؑ کی حکومت کی حدود کے اندر بھیجتے اور ان سے کہتے کہ اب گناہگار اور بے گناہ کو نہ دیکھنا (اسی طرح جیسے آج اسرائیل اسلامی ممالک کے ساتھ کر رہا ہے) جاؤ انہیں تباہ و برباد کرنے کے لئے ان پر شبخون مارو، آتش زنی کرو، بے خطا اور خطا کار میں تمیز کئے بغیر جو سامنے آئے اسے تہِ تیغ کردو، چھوٹے بڑے کسی پر رحم نہ کرو، ان کا مال و

دولت لوٹ لو۔ اور معاویہ کے فوجی ایسا ہی کرتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اسی بُسر بن ارطاۃ کو بھیجا۔ وہ گیا۔ ادھر ادھر سے ہوتا ہوا یمن پہنچا' وہاں اس نے بہت مظالم ڈھائے۔ ان ہی میں سے اس کا ایک ظلم یہ بھی تھا کہ اس نے یمن میں امیر المومنین حضرت علیؑ کے گورنر اور آپ کے چچازاد بھائی عبید اللہ ابن عباس بن عبدالمطلب کے بیٹوں کو پکڑ لیا اور ان دو چھوٹے بے گناہ بچوں کی گردنیں اڑا دیں۔ کیونکہ یہ ظلم بہت بڑا تھا' لہٰذا آہستہ آہستہ اس سنگدل آدمی کا ضمیر بھی بیدار ہونے لگا اور پھر وہ ضمیر کے عذاب میں مبتلا ہوگیا۔ وہ جب بھی سوتا اسے خواب میں اپنا وہ ظلم نظر آتا۔ جب راہ چلتا تو اس کی نظروں کے سامنے یہ دو بے گناہ بچے اور اس کے دوسرے مظالم آ کھڑے ہوتے۔ رفتہ رفتہ وہ دیوانہ ہوگیا۔ وہ لکڑی کے گھوڑے پر سوار ہو جاتا' لکڑی ہی کی ایک تلوار ہاتھ میں لیتا اور گلی کوچوں میں دوڑتا پھرتا اور کوڑے مارتا۔ بچے اس کے گرد جمع ہو جاتے اور اس کا مذاق اڑاتے۔

ہم نے عرض کیا کہ انسانی روح کی جانب سے ردِعمل کے اظہار کا دوسرا عامل یہ ہے کہ جس سطح پر ضرب لگ رہی ہو وہ ہموار ہو' مضبوط اور مستحکم ہو۔ یعنی اس انسان کا ضمیر' اس کی فطرت اور اس کا ایمان قوی ہو۔ اس صورت میں معمولی ضرب کے باوجود ردِعمل نسبتاً زیادہ ہوگا۔ لہٰذا آپ دیکھتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی خطائیں' گناہانِ صغیرہ' حتیٰ وہ اعمال جو مکروہ ہیں اور جنہیں گناہ نہیں سمجھا جاتا وہ باایمان افراد (ایسے افراد جو مضبوط روح کے مالک ہوتے ہیں' جن کا معنوی فرشتہ' جن کا ایمان' جن کا معنوی ضمیر مستحکم ہوتا ہے) کے نزدیک قابلِ مذمت ہوتے ہیں اور یہ اعمال اُن میں ردِعمل پیدا کرتے ہیں۔ ایسے اعمال جن کے ہم روزانہ سیکڑوں مرتبہ مرتکب ہوتے ہیں اور جنہیں انجام دینے کے بعد ہمارے اندر یہ معمولی سا احساس بھی جنم نہیں لیتا کہ ہم نے کچھ کیا ہے۔ (جبکہ) پاک سرشت انسان جوں ہی کوئی مکروہ عمل بھی انجام دیتے ہیں تو ان کی روح مضطرب ہو جاتی ہے اور وہ مسلسل اور بار بار توبہ و استغفار کرتے ہیں۔

روحانیت کے اعتبار سے ایک انتہائی عظیم ہستی' میرے استاد جن کا میں نے گزشتہ

برس ماہِ رمضان میں بھی ذکر کیا تھا وہ مرحوم حاج میرزا علی آقائی شیرازی اصفہانی رضوان اللہ علیہ ہیں۔ آنجناب ان روحانی شخصیات میں سے ایک عظیم ترین شخصیت ہیں جنہیں میں نے اپنی زندگی میں دیکھا ہے۔ ایک رات وہ قم میں ہمارے مہمان تھے اور ہم بھی ان کے ساتھ قم کے ایک عالم کے یہاں دعوت میں مدعو تھے۔ بعض ادبی ذوق رکھنے والے افراد اور شعرا بھی وہاں موجود تھے۔ اُس رات مجھے معلوم ہوا کہ آنجناب شعر و ادب سے کس قدر شغف رکھتے ہیں اور عربی و فارسی کے کس قدر بہترین اشعار انہیں یاد ہیں۔ دوسرے لوگ بھی شعر سنا رہے تھے لیکن انتہائی عام سے اشعار' سعدی اور حافظ وغیرہ کے اشعار۔ آنجناب بھی شعر پڑھ رہے تھے اور بتاتے جاتے تھے کہ فلاں شعر فلاں سے بہتر ہے' فلاں مضمون کو فلاں نے بہتر انداز میں بیان کیا ہے' کس نے اس طرح کہا ہے اور کس نے اُس طرح۔

شعر پڑھنا اور وہ بھی اس طرح کے شعر پڑھنا گناہ نہیں ہے۔ البتہ رات کے وقت شعر پڑھنا مکروہ ہے۔ خدا جانتا ہے' جب ہم باہر نکلے تو وہ (ہمارے استاد) شدت کے ساتھ لرز رہے تھے۔ کہتے تھے کہ میں بہت ارادہ کرتا ہوں کہ رات کو شعر نہ پڑھوں لیکن آخر کار اپنے آپ کو نہیں روک پاتا۔ مسلسل اَستَغفِرُ اللہَ رَبِّی وَاَتُوبُ اِلَیہِ اُن کی زبان پر جاری تھا۔ ایک ایسے انسان کی مانند جو انتہائی عظیم گناہ کر بیٹھا ہو۔ معاذ اللہ اگر ہم نے شراب پی ہوتی' تب بھی اس قدر مضطرب نہیں ہوتے جس قدر وہ ایک مکروہ عمل پر اظہار اضطراب کر رہے تھے۔

ایسے افراد کیونکہ خدا کے محبوب بندے ہوتے ہیں اس لئے خدا کی طرف سے انہیں ایک قسم کی سزا دی جاتی ہے' جبکہ ہم اور آپ اس قسم کی سزاؤں کی اہلیت اور لیاقت نہیں رکھتے۔ آنجناب روزانہ صبح طلوع ہونے سے کم از کم دو گھنٹے پہلے بیدار ہو جاتے تھے' میں نے شب بیداری کا مفہوم انہی سے سیکھا ہے۔ میں نے ''شب مردانِ خدا روزِ جہان افروز است'' (اللہ والوں کی رات روشن دن کی طرح ہوتی ہے) کے معنی انہی سے سیکھے ہیں' عبادت اور خدا شناسی کا سبق انہی سے حاصل کیا ہے' استغفار کا مفہوم انہی سے سیکھا

ہے، حال اور خدا میں مجذوب ہو جانا انہی سے سمجھا ہے۔

اس رات جب وہ بیدار ہوئے تو صبح کی اذان ہو رہی تھی۔ خدا نے انہیں سزا دے دی تھی۔ بیدار ہوتے ہی انہوں نے ہمیں جگایا اور کہا کہ یہ گزشتہ رات کی شعر خوانی کا اثر تھا!!

ایک ایسی روح جس کا ایمان اس قدر مستحکم ہو جب اُس پر معمولی سی بھی ضرب پڑتی ہے۔ یعنی جب اس کے پست مقامات کی جانب سے اس کے عالی مقامات پر اس قسم کا چھوٹا سا حملہ بھی ہوتا ہے تو یہ عالی مقامات اس (حملے) پر اپنے ردِعمل کا اظہار کرتے ہیں، اپنی ناراضگی ظاہر کرتے ہیں، حتیٰ سزا بھی دیتے ہیں کہ دیکھو! ہم تمہیں بخشیں گے نہیں، یوں ہی چھوڑ نہیں دیں گے!

ایک ایسا انسان جو رات کو شعر خوانی کرے، اپنے دو گھنٹے شعر پڑھنے میں گزارے، وہ دو گھنٹے خداوند متعال کے ساتھ مناجات کے لائق نہیں رہتا۔

آپ کی خدمت میں ایک اور مثال عرض کرتا ہوں: اگر آپ ایک نہایت صاف وشفاف آئینہ لے کر، اسے صاف کرنے کے بعد ایک ایسی صاف فضا میں میز پر رکھ دیں جس میں خود آپ بھی بخوشی سانس لینا پسند کرتے ہوں۔ کچھ دیر بعد آپ دیکھیں گے کہ اُس آئینے پر گرد جمی ہوئی ہے۔ یہ گرد آپ کو پہلے محسوس نہیں ہو رہی تھی، میز پر بھی یہ آپ کو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ در و دیوار پر بھی اس کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔

جتنی دیوار زیادہ گندی ہوگی، اُس پر گندگی اور سیاہی کے اثرات اور داغ دھبے اتنے ہی کم دکھائی دیں گے۔ یہاں تک کہ اگر وہ سیاہ اور تارکول زدہ ہو تو اس پر لگنے والا چراغ کا سیاہ دھواں بھی نظر نہ آئے گا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مجلس میں پچیس مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ: اِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي وَ اِنِّي لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةٍ (سفینۃ البحار۔ ج ۲۔ ص ۳۲۲)

یہ سب کیا ہے؟ ہم کہتے کیا ہیں اور سمجھتے کیا ہیں؟

فرماتے تھے: میں اپنے دل پر کدورت کے آثار محسوس کرتا ہوں اور اس کدورت کو دور کرنے کے لئے روزانہ ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

یہ کدورتیں کیا ہیں؟ یہ کدورتیں ہمارے لئے آئینہ ہیں، ہمارے لئے نورانیت ہیں، لیکن اُن کے لئے کدورت ہیں۔ جب وہ ہمارے ساتھ بات کرتے ہیں، چاہے اُن کی بات خدا کے لئے ہو، چاہے وہ ہمارے آئینۂ وجود میں خدا کو دیکھ رہے ہوں، پھر بھی اُن کی نظر میں یہ کدورت ہے۔

"امِ سلمہ" اور دوسروں نے کہا ہے کہ آنحضرت کی وفات سے ایک دو ماہ پہلے ہم دیکھا کرتے تھے کہ آپ جب بھی اٹھتے یا بیٹھتے یا کوئی بھی کام کرتے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّي وَ اَتُوْبُ اِلَيْهِ ضرور کہتے۔ یہ ایک بالکل نیا ذکر تھا۔

امِ سلمہ کہتی ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان دنوں آپ اس قدر زیادہ استغفار کیوں کر رہے ہیں؟ فرمایا: مجھے یہی حکم دیا گیا ہے۔ نُعِيَتْ اِلَيَّ نَفْسِي۔ ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ آخری سورہ جو آنحضرتؐ کے وجودِ اقدس پر نازل ہوا، وہ سورۂ نصر ہے۔ جب یہ سورہ نازل ہوا تو پیغمبر اکرم کو احساس ہو گیا کہ یہ اُن کی موت کی اطلاع ہے۔ یعنی اب آپ کا وقت پورا ہو چکا ہے، اب تمہیں یہاں سے کوچ کرنا ہے۔ سورۂ مبارک نصر یہ ہے:

"اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ اِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا."

یہ قرآن کس قدر لذت بخش ہے! کس قدر خوبصورت ہے! انسان اسے اپنی زبان پر جاری کر کے لطف اندوز ہوتا ہے، خوشی محسوس کرتا ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے: اے پیغمبر! جب پروردگار کی مدد آ جائے، جب پروردگار کی مدد آ کر آپ کو آپ کے مخالفین پر فتح عطا کر دے، جب آپ کو شہر کی فتح یعنی فتحِ مکہ نصیب ہو جائے، اور جب آپ دیکھ لیں کہ لوگ جوق در جوق دینِ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، تو اس کے بعد فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ آپ اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد کیجئے اور استغفار کیجئے کہ وہ

توبہ قبول کرنے والا ہے۔

کیا تعلق ہے اُس ابتدا اور اِس انتہا کے درمیان؟

فتح و کامیابی اور لوگوں کے گروہ در گروہ دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد آنحضرت کیوں تسبیح کریں؟

مراد یہ ہے کہ اب آپ کی ذمے داری ختم ہوئی۔

یہ پیغمبر اسلامؐ پر نازل ہونے والا آخری سورہ ہے، حتیٰ یہ حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہونے والی آیات اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۳) اور یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۶۷) کے بھی بعد نازل ہوا ہے۔

اب آپ اپنی ذمے داری ادا کر چکے ہیں، پس (اپنے پروردگار کی) تسبیح کیجیے۔ پیغمبر اسلام نے محسوس کر لیا کہ مراد یہ ہے کہ اب میرا کام ختم ہو گیا ہے، پس اب اپنی فکر کرو۔ اسی لئے آپ ہر وقت تسبیح و استغفار میں مشغول رہا کرتے تھے۔

لیکن ہم بدبختوں کا دل اُسی تارکول زدہ دیوار کی مانند ہے۔ افسوس ایک کے بعد ایک گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں، ایک نافرمانی کے بعد دوسری نافرمانی کرتے ہیں، لیکن ہماری روح میں کسی قسم کا ردِعمل پیدا نہیں ہوتا۔ مجھے نہیں معلوم ہماری روح کے وہ فرشتے کہاں اور کس قدر قید ہو چکے ہیں، ان کے ہاتھ پاؤں کن زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، کہ ہمارے دل میں ہلچل نہیں مچتی، ہمارا دل نہیں لرزتا۔

عبودیت کی پہلی منزل توبہ ہے۔ اگر آپ کو اپنی روح میں کوئی ہلچل نظر آتی ہے، اگر کوئی ندامت دکھائی دیتی ہے، اگر احساسِ پشیمانی دکھائی دیتا ہے، اگر اپنا ماضی سیاہ محسوس ہوتا ہے، اگر یہ محسوس کرتے ہیں کہ جس راستے پر آپ آج تک چلتے رہے ہیں، وہ غلط تھا، زوال کی جانب تھا، جو آپ کو پستی کی طرف لے جا رہا تھا اور اب آپ نے فیصلہ کیا ہے کہ اس سے باہر نکلنا ہے، اوپر کی جانب اٹھنا ہے، خدا کی طرف آنا ہے، تو آپ عبودیت

عبادت اور سلوک کی پہلی منزل پر پہنچ چکے ہیں۔ اور یہاں سے آغاز کر سکتے ہیں، اور اگر ایسا نہیں، تو پھر یہ ممکن نہیں۔

عمل کے بغیر آخرت بخیر نہیں ہوگی

ایک شخص مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے امیر المومنین! مجھے نصیحت فرمائیے۔ حضرتؑ نے اُسے کئی نصیحتیں کیں۔ ان نصائح کے پہلے دو جملے آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ ہمارے لئے فی الحال یہی دو جملے کافی ہیں۔ فرمایا: لَا تَکُنْ مِمَّنْ یَرْجُوا الْاٰخِرَۃَ بِغَیْرِ عَمَلٍ وَ یُرَجِّی التَّوْبَۃَ بِطُوْلِ الْاَمَلِ. یَقُوْلُ فِی الدُّنْیَا بِقَوْلِ الزَّاھِدِیْنَ وَ یَعْمَلُ فِیْھَا بِعَمَلِ الرَّاغِبِیْنَ. (۱)

فرمایا: تمہیں میری نصیحت یہ ہے کہ، تم اُن لوگوں میں سے نہ ہونا جو آخرت کی امید رکھتے ہیں لیکن چاہتے ہیں کہ بغیر عمل کئے آخرت حاصل کر لیں۔ ہم سب لوگوں کی طرح، ہم بھی کہتے ہیں کہ علی ابن ابی طالبؑ کی محبت کافی ہے؛ جبکہ ہماری محبت بھی سچی محبت نہیں ہے، اگر ہماری محبت سچی ہوتی تو اس کے ساتھ ساتھ عمل بھی ہوتا۔ ہم کہتے ہیں کہ (علیؑ سے) یہی ظاہری تعلق کافی ہے! ہم سمجھتے ہیں کہ علیؑ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں (محبت کرنے والوں کی) ضرورت ہے، اور اگر کچھ لوگ ان سے جھوٹ موٹ کا تعلق رکھیں تو یہ بھی کافی ہے، ہمیں سرِ دست دکھاوے کے لئے لشکر کی ضرورت ہے، دکھاوے کے لئے یہی لشکری کافی ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام پر ایک جھوٹ موٹ کا گریہ کافی ہے، لیکن امیر المومنین نے فرمایا ہے: یہ جھوٹ ہے۔ اگر علی ابن ابی طالبؑ کی محبت تمہیں عمل کی طرف

۱۔ تمہیں اُن لوگوں میں سے نہیں ہونا چاہئے جو عمل کے بغیر حسنِ انجام کی امید رکھتے ہیں اور امید بڑھا کر توبہ میں تاخیر کرتے ہیں۔ جو دنیا میں زاہدوں کی سی باتیں کرتے ہیں مگر اُن کے اعمال دنیا طلب لوگوں جیسے ہوتے ہیں۔ (نہج البلاغہ۔ کلمات قصار ۱۵۰)

مائل کرے، تو جان لو کہ تمہاری محبت سچی ہے، اگر حسین ابن علیؑ پر گریہ تمہیں عمل کی طرف لیجائے، تو جان لو کہ تم نے حسین ابن علیؑ پر گریہ کیا ہے اور تمہارا گریہ سچا ہے، ورنہ شیطان کا فریب ہے۔

دوسرے جملے میں آپؑ نے فرمایا: وَ یُرَجِّی التَّوْبَةَ بِطُولِ الْاَمَلِ . اے شخص! ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جو اپنے اندر توبہ کی ضرورت تو محسوس کرتے ہیں لیکن یہ کہہ کر توبہ نہیں کرتے کہ ابھی دیر نہیں ہوئی، بہت وقت پڑا ہے۔

بھائیو! اگر حضرت علیؑ تشریف لائیں اور ہم اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں کہ آقا ہمیں نصیحت فرمایئے اور وہی جملہ ہم سے کہیں کہ: لَا تَکُنْ مِمَّنْ یَرْجُو الْآخِرَةَ بِغَیْرِ عَمَلٍ وَ یُرَجِّی التَّوْبَةَ بِطُولِ الْاَمَلِ، تو ہم کب تک یہی کہتے رہیں گے کہ ابھی دیر نہیں ہوئی ہے، ابھی وقت پڑا ہے؟! ابھی تو ہم جوان ہیں۔ کہیں گے کہ: حضور! ابھی تو میں بیس سالہ جوان ہوں، ابھی میرے لئے توبہ کرنے کا وقت کہاں آیا ہے؟!

جوانی، توبہ کا بہترین وقت

عجیب بات یہ ہے کہ بعض بوڑھے اور عمر رسیدہ افراد جب کسی جوان کو دیکھتے ہیں کہ وہ عبادت کی طرف مائل ہے اور اپنے گناہ کی طرف متوجہ ہے، اور توبہ اور ندامت کی حالت میں ہے، تو اُس سے کہتے ہیں: ارے بیٹا! تم تو ابھی جوان ہو۔ ابھی تمہارے لئے ان باتوں کا وقت نہیں ہے۔

اتفاقاً جوانی ہی اس کا بہترین وقت ہے۔ ایک شاخ جب تک تازہ ہوتی ہے، اُس میں سیدھا ہونے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے۔ اور جوں جوں وہ بڑی اور خشک ہوتی چلی جاتی ہے، اُس کی یہ صلاحیت کم ہونے لگتی ہے۔ علاوہ ازیں کس نے اس جوان کو اس کی زندگی، ادھیڑ عمری اور اُس کے بعد بڑھاپے تک پہنچنے کی گارنٹی دی ہے؟!

جب تک جوان ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ جوان ہیں، جب ادھیڑ عمر کو پہنچتے ہیں تو کہتے ہیں

کہ ابھی بہت وقت پڑا ہے۔ توبہ تو بڑھاپے میں کی جاتی ہے، جب بوڑھے ہو جائیں گے، کسی کام کے نہ رہیں گے اور تمام طاقتیں ہم سے چھن جائیں گی، تو اُس وقت توبہ کرلیں گے۔

ہم نہیں جانتے کہ یہ ہماری غلط فہمی ہے۔ اتفاقاً اُس وقت بھی ہم توبہ نہیں کرتے، اُس وقت ہمارے پاس توبہ کا حوصلہ ہی نہیں ہوگا۔ گناہوں کے بوجھ سے ہماری کمر اس طرح خم ہو جائے گی کہ پھر ہمارا دل توبہ کرنے پر تیار ہی نہیں ہوگا۔ ایک بوڑھے سے زیادہ ایک جوان کا دل توبہ کے لئے تیار ہوتا ہے۔ مولانا روم نے کیا خوب کہا ہے:

خار بن در قوت و برخاستن
خار کن در سستی و در کاستن

وہ ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سرِ راہ ایک خاردار جھاڑی لگائی۔ یہ جھاڑی بڑی ہونے لگی تو لوگوں نے اُس سے کہا کہ جناب اس جھاڑی کو اکھاڑ دیجئے۔ اُس نے کہا: ابھی جلدی کیا ہے، معمولی سی جھاڑی ہے آسانی سے اکھڑ جائے گی۔ (کچھ دن بعد) لوگوں نے دوبارہ اُس سے درخواست کی۔ اُس نے جواب دیا: کیا جلدی ہے، ابھی کاٹ پھینکیں گے، آئندہ سال کاٹ دیں گے۔ اگلے سال وہ جھاڑی بڑھ کر تنومند ہو گئی۔ اور جھاڑی بونے والا؟ وہ مزید بوڑھا ہو گیا۔ لوگوں نے کہا: آؤ اسے کاٹ ڈالیں۔ کہنے لگا: ابھی جلدی کیا ہے؟ بعد میں کاٹ ڈالیں گے۔

خاردار جھاڑی ہر سال بڑھتی رہی، جڑیں پھیلاتی رہی، اس کا تنا موٹا ہوتا چلا گیا، اس کے کانٹے تیز تر ہوتے گئے اور اس کا خطرہ بڑھتا گیا۔ جبکہ اسے کاشت کرنے والا شخص بوڑھا ہوتا گیا اور اس کی طاقت کمزور پڑتی رہی:

خاربن در قوت و برخاستن
خار کن در سستی و در کاستن

مولانا روم ہم سے کہنا چاہتے ہیں کہ تمہارے وجود میں بُری عادات اور ناپسندیدہ اخلاق اُس خاردار جھاڑی کی مانند نشو و نما پاتے رہتے ہیں، اُن کی جڑیں گہری ہوتی چلی جاتی

ہیں‘ اُن کا تنا موٹے سے موٹا‘ اُن کے کانٹے تیز تر اور زیادہ سے زیادہ خطرناک ہوتے چلے جاتے ہیں۔ لیکن تم خود دن بدن بوڑھے ہوتے جاتے ہو‘ تمہاری قوت‘ تمہاری وہ مقدس قوتیں کمزور پڑتی چلی جاتی ہیں۔

جوانی کے دنوں میں تم ایک ایسے طاقتور انسان کی مانند ہوتے ہو جو ایک پودے کو اکھاڑنا چاہتا ہے‘ تو اسے فوراً اکھاڑ سکتا ہے‘ اس کی جڑوں کو بھی کاٹ کر دور پھینک سکتا ہے‘ لیکن بوڑھا ہونے کے بعد تم ایک ایسے کمزور انسان کی مانند ہو گے جو اپنے ہاتھوں سے ایک مضبوط درخت اکھاڑنا چاہے‘ تو خواہ وہ کتنا ہی زور لگالے درخت جڑ سے نہیں اکھاڑ سکے گا۔

خدا کی قسم! ایک ایک دن‘ ایک ایک گھنٹہ اہمیت کا حامل ہے۔ اگر ہم ایک رات کی بھی تاخیر کریں تو غلطی پر ہیں! یہ نہ کہئے کہ کل رات شبِ تیئس رمضان ہے‘ لیلۃ القدر میں سے ایک رات ہے اور توبہ کے لئے بہترین شب ہے۔ نہیں‘ یہی آج کی رات کل کی رات سے بہتر ہے۔ یہی لحہ اگلے لمحے سے بہتر لمحہ ہے۔ توبہ کے بغیر عبادت قبول نہیں ہے۔ پہلے لازم ہے کہ توبہ کریں۔

کہتے ہیں: ”صفائی ستھرائی کرو‘ پھر خرابے میں گھومو“۔ پہلے صفائی کرو‘ اس کے بعد اس پاک و پاکیزہ جگہ میں داخل ہو۔ ہم توبہ نہیں کرتے اور روزہ رکھتے ہیں! توبہ نہیں کرتے اور نماز پڑھتے ہیں! توبہ نہیں کرتے اور حج کو جاتے ہیں! توبہ نہیں کرتے اور قرآن پڑھتے ہیں! توبہ نہیں کرتے اور ذکر کرتے ہیں! توبہ نہیں کرتے اور ذکر کی مجلسوں میں شرکت کرتے ہیں!

خدا کی قسم! اگر آپ ایک توبہ کر کے پاک ہو جائیں اور پھر اس توبہ اور پاکیزگی کی حالت میں ایک دن اور ایک رات نماز پڑھیں‘ تو یہی ایک دن اور ایک رات آپ کو دس سال کے برابر آگے لے جائے گی اور مقامِ قربِ الٰہی پر پہنچا دے گی۔ ہم قبولیت دعا کا دروازہ گم کر چکے ہیں‘ اس کے راستے سے واقف نہیں ہیں۔

استغفار کی حقیقت

ایک شخص امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور استغفار کیا۔ وہ شخص بھی ہماری طرح یہ سمجھتا تھا کہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّی وَ اَتُوبُ اِلَیْهِ بول دینے سے توبہ ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس (اَسْتَغْفِرُ اللّٰه) کے ”غ“ کو زیادہ گاڑھا کر کے بولیں‘ تو ہماری توبہ بہت اچھی ہو جائے گی۔ حضرت علیؑ سمجھ گئے تھے کہ یہ بدبخت کس قدر گمراہ ہے۔ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ آپؑ نے اتنی شدت اختیار کی ہو اور اتنے سخت لہجے میں بات کی ہو۔ لیکن یہاں پر سخت لہجے میں بات کی اور فرمایا:

”ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ، أَتَدْرِی مَا الْاِسْتِغْفَارُ؟ اَلْاِسْتِغْفَارُ دَرَجَةُ الْعِلِّیِّینَ.“

”خدا تجھے موت دے! تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے! کیا تجھے معلوم ہے استغفار کیا ہے؟ استغفار بلند مرتبہ انسانوں کا درجہ ہے۔“

(نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار ۴۱۷)

استغفار‘ توبہ کی حالت اور ایک مقدس کیفیت ہے‘ ایک مقدس اور پاک فضا ہے۔ آپ توبہ کی حالت پیدا کیجئے‘ سچی توبہ کیجئے‘ اس کے بعد آپ خود کو ایک مقدس فضا میں محسوس کریں گے۔ آپ کو احساس ہو گا کہ لطف و عنایتِ الٰہی آپ کی روح پر سایہ فگن ہے۔ محسوس کریں گے کہ فرشتوں کے ایک گروہ نے آپ کو گھیرا ہوا ہے۔ آپ پاک ہو جائیں گے۔ کیونکہ توبہ کی حالت میں انسان خود پسندی سے دور ہو جاتا ہے۔ اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے اور اپنے گناہوں کو نظر میں رکھتا ہے۔

اسلام میں کہتے ہیں کہ اگر توبہ کرنا چاہتے ہو‘ تو کسی پادری کے پاس جانے کی‘ کسی مولوی کے پاس جا کر اسے اپنے گناہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرو‘ اسے اپنے گناہ بتاؤ۔ کیوں کسی انسان کے سامنے اپنے گناہ کا اقرار

واعتراف کرتے ہو؟ اپنے غفار الذنوب (گناہوں کو معاف کرنے والے) خدا کے سامنے اقرار کرو۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا. (۱)

یہ خدا کی آواز ہے: اے میرے زیادتی کرنے والے بندو! اے میرے گناہ گار بندو! اے میرے معصیت کار بندو! اے میرے وہ بندو جنہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا ہے! میری رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ آؤ میرے پاس آؤ۔ میں مان لوں گا، قبول کرلوں گا۔ توبہ کی فضا میں داخل ہو جاؤ۔

اس حدیثِ قدسی میں کتنے اعلیٰ انداز سے توبہ کی توصیف کی گئی ہے: اَنِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ تَسْبِیْحِ الْمُسَبِّحِیْنَ۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اس رحمتِ مطلق وکامل نے فرمایا ہے کہ: گناہ گاروں کی نالہ وزاری مجھے تسبیح کرنے والوں کی تسبیح سے زیادہ پسند ہے۔ جاؤ اور اپنے خدا کی بارگاہ میں نالہ وفریاد کرو۔ سوچو تاکہ تمہارے گناہ تمہیں یاد آجائیں۔ کسی دوسرے سے نہ کہنا۔ دوسروں کے سامنے گناہ کا اقرار خود گناہ ہے۔ لیکن اپنے دل میں (تم خود تو جانتے ہی ہو، خود ہی اپنے قاضی اور اپنے محتسب بن جاؤ) اپنے گناہوں کو نظر میں رکھو، اس کے بعد ان گناہوں کو ذاتِ پروردگار کے سامنے لے جاؤ، اپنی کوتاہیاں بیان کرو، گریہ کرو، زاری کرو، مغفرت طلب کرو، پاکیزگی مانگو۔ خدا تمہیں بخش دے گا، تمہاری روح کو پاک و پاکیزہ کردے گا، تمہارے دل کو خالص کردے گا، اپنا لطف تمہارے شاملِ حال کردے گا اور اس کے بعد ایک لذت، ایک ایسی حالت تمہارے اندر پیدا ہوجائے گی کہ عبادت کی مٹھاس محسوس کرو گے، گناہ اور گناہوں کی لذت تمہاری نظروں میں گر جائے گی،

۱۔ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنے نفس پر زیادتی کی ہے رحمتِ خدا سے مایوس نہ ہونا کہ اللہ تمام گناہوں کا معاف کرنے والا ہے۔ (سورۂ زمر ۳۹۔ آیت ۵۳)

پھر تم میں فلاں شہوت انگیز فلم دیکھنے کی رغبت نہیں رہے گی، لوگوں کی ناموس کی جانب دیکھنے کی طرف مائل نہیں ہوگے، تمہارا دل غیبت کرنے، جھوٹ بولنے، لوگوں پر تہمت لگانے کو نہ چاہے گا، تم دیکھو گے کہ تمہاری پوری توجہ پاکیزہ اور اچھے کاموں کی جانب ہے۔

اس کے بعد حضرت علیؑ نے استغفار کے لئے چھ شرائط کا ذکر کیا، جن میں سے دو توبہ کی رکن ہیں، دو توبہ کی قبولیت کی شرط ہیں اور آخری دو کمالِ توبہ کی شرائط ہیں۔ انشاء اللہ کل رات آپ کے سامنے اس حدیث کی تشریح کریں گے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ اُن پاکیزہ ترین پاک لوگوں کو اس بات سے لذت حاصل ہوتی تھی کہ اپنے خدا کے ساتھ گفتگو کریں، اپنی تقصیر وکوتاہی، اپنے گناہ (کہ ان کا گناہ ہماری نسبت ترکِ اولیٰ ہے اور ترکِ اولیٰ سے بھی ایک درجہ بلند تر ہے) کے بارے میں بات کریں۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ (نیک لوگوں کی نیکیاں صاحبانِ قرب کے لئے گناہ ہیں)

دعائے ابوحمزہ ثمالی کو پڑھئے، دیکھئے کہ امام علی ابن الحسینؑ اپنے خدا کے ساتھ کس طرح گفتگو کرتے ہیں؟ کس طرح نالہ وفریاد کرتے ہیں؟ اَنِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ تَسْبِیْحِ الْمُسَبِّحِیْنَ۔

دعائے ابوحمزہ ثمالی علی ابن الحسینؑ کا نالہ وفریاد ہے۔ آیئے خدا کے اس پاک و پاکیزہ بندے کے نالہ وفغاں کا کچھ حصہ دیکھتے ہیں۔ انہیں اس بات سے لطف اور لذت حاصل ہوتی تھی کہ اپنے خدا کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اپنی تمام تر حقارت، اپنے فقر، اپنی احتیاج و نیاز اور اپنی کوتاہیوں کا ذکر کریں۔ آپ کہا کرتے تھے کہ بارِالٰہا! میری جانب سے کوتاہی ہی کوتاہی ہے اور تیری جانب سے لطف ورحمت۔ مَوْلَایَ مَوْلَایَ اِذَا رَاَیْتُ ذُنُوْبِیْ فَزِعْتُ وَ اِذَا رَاَیْتُ کَرَمَکَ طَمِعْتُ (دعائے ابوحمزہ ثمالی)

علی ابن الحسینؑ فرماتے ہیں: میرے خدا! میرے مولا! میرے آقا! جب میری نظر اپنے گناہوں پر پڑتی ہے تو مجھ پر خوف وہراس طاری ہوجاتا ہے۔ لیکن جوں ہی میری نگاہ

تیری طرف اٹھتی ہے، تیری رحمت کو دیکھتا ہوں، تو میرے دل میں امید پیدا ہو جاتی ہے۔ میں ہمیشہ خوف اور امید کے درمیان رہتا ہوں۔ جب میں اپنی طرف دیکھتا ہوں تو مجھ پر خوف طاری ہو جاتا ہے، اور جب تجھے دیکھتا ہوں تو مجھ پر امید غالب آجاتی ہے۔ جی ہاں، وہ ایسے تھے۔

دو جملے مصائب کے بھی آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔

نو محرم کو عصر کے وقت لشکرِ عمر سعد نے عبیداللہ ابن زیاد کے حکم سے (امام حسینؑ پر) حملہ کر دیا۔ وہ اسی رات حسینؑ سے جنگ کرنا چاہتے تھے۔ امام حسینؑ نے اپنے بھائی ابو الفضل العباسؑ کی وساطت سے ان سے ایک شب کی مہلت طلب کی۔ فرمایا: بھیا! ان سے کہو کہ آج کی رات ہمیں مہلت دے دیں۔ میں کل جنگ کروں گا۔ میں تسلیم ہونے والا نہیں ہوں۔ میں جنگ کروں گا لیکن مجھے آج ایک رات کی مہلت دے دیں (غروب کا وقت تھا) پھر اسلئے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ حسینؑ وقت گزارنا چاہتے ہیں، یہ جملہ فرمایا: بھیا! خدا خود جانتا ہے کہ میں اس کے ساتھ مناجات کو پسند کرتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آج کی رات اپنی زندگی کی آخری رات کے طور پر اپنے خدا سے مناجات میں بسر کروں اور اسے اپنے لئے توبہ واستغفار کی شب قرار دوں۔

عاشور کی وہ شب، اگر آپ جان لیں کہ وہ کیسی رات تھی! معراج تھی، اس رات خوشی، شادابی اور مسرت حکم فرما تھی۔ اس رات انہوں نے خود کو پاک وصاف کیا، حتیٰ اپنے بالوں کی بھی آرائش کی۔

ایک خیمہ تھا جس کا نام خیمہ تنظیف (صفائی کا خیمہ) تھا۔ اس خیمے میں کوئی موجود تھا اور باہر دو آدمی اپنی باری کے انتظار میں تھے۔ ان میں سے ایک نے جو بظاہر بُریر تھے، دوسرے کے ساتھ مذاق کیا۔ دوسرے نے اُن سے کہا: آج کی رات مذاق کرنے کی رات نہیں ہے۔ انہوں نے کہا: بنیادی طور پر میں بھی شوخ طبیعت آدمی نہیں ہوں لیکن آج کی رات مذاق کی رات ہے۔

جب دشمن نے آکر ان توبہ کرنے والوں اور ان استغفار کرنے والوں کو دیکھا تو آپ جانتے ہیں انہوں نے ان کے بارے میں کیا کہا؟ امام حسینؑ کے خیمے کے قریب سے گزرنے کے بعد کہنے لگے (یہ دشمن کے الفاظ ہیں!!): لَهُمْ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ مَا بَيْنَ رَاكِعٍ وَ سَاجِدٍ. (دمع السجوم۔ ص ۱۱۸) یوں محسوس ہوتا تھا جیسے انسان شہد کی مکھیوں کے چھتے کے قریب سے گزر رہا ہو۔

شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کیسے بلند ہوتی ہے؟

امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کے ذکر، دعا، نماز واستغفار کی آواز بھی اسی طرح بلند تھی۔

امام حسینؑ فرماتے ہیں: میں چاہتا ہوں آج کی رات کو اپنے لئے توبہ واستغفار کی شب قرار دوں (چاہتے ہیں اپنی شبِ معراج قرار دیں)

کیا ہمیں توبہ کی ضرورت نہیں ہے؟!

انہیں تو ضرورت ہو اور ہمیں نہ ہو؟!

جی ہاں، حسین ابن علیؑ نے وہ رات اِس طرح بسر کی۔ عبادت میں بسر کی۔ اپنے اور اپنے اہلِ بیت کے کام انجام دیئے، اور اسی رات اپنے اصحاب کے سامنے وہ عظیم خطبہ ارشاد فرمایا۔

آپ کے سامنے صحرائے کربلا کے ایک تائب کا ذکر کرنے کے بعد اپنے عرائض ختم کروں گا:

ایک قبول ہونے والی توبہ، ایک انتہائی سچی توبہ، کربلا میں حر ابن یزید ریاحی کی توبہ ہے۔ حرؑ ایک بہادر اور مضبوط انسان ہے۔ پہلی بار جب عبیداللہ ابن زیاد نے حسین ابن علیؑ سے مقابلے کے لئے ایک ہزار سواروں کو بھیجنا چاہا، تو (اُن کی سربراہی کے لئے) اُسی کا انتخاب کیا۔ وہ اہلِ بیت پیغمبر پر ظلم وستم کا مرتکب ہوا۔

ہم نے عرض کیا تھا کہ جب بڑا ظلم سرزد ہوتا ہے تو انسان کا ضمیر، اگر نیم مردہ ضمیر بھی ہو،

تو ردِعمل ظاہر کرتا ہے۔اب دیکھئے کہ روح کے پست مقامات کے مقابلے میں روح کے اعلیٰ مقامات کس انداز سے اپنے ردِعمل کا اظہار کرتے ہیں؟

راوی کہتا ہے کہ میں نے لشکرِ عمر سعد میں حرابن یزید ریاحی کو اس حال میں دیکھا کہ وہ بید کی طرح لرز رہے تھے۔ مجھے تعجب ہوا' آگے بڑھا اور کہا: حر! میں تمہیں بہت بہادر انسان سمجھتا تھا۔اگر مجھ سے کوئی پوچھتا کہ کوفہ کا بہادر ترین انسان کون ہے' تو میں تمہارا نام لیے بغیر نہ رہتا۔تم کس طرح خوفزدہ ہو؟ تمہارے جسم پر لرزہ طاری ہے۔حر نے کہا: تم غلط سمجھ رہے ہو۔میں جنگ سے خوفزدہ نہیں ہوں۔(اس نے کہا ہوگا: پھر کس چیز سے ڈر رہے ہو؟) میں اپنے آپ کو جنت اور جہنم کے درمیان دیکھ رہا ہوں۔میرے لئے جنت یا دوزخ کے انتخاب کا مرحلہ درپیش ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ کیا کروں' یہ راستہ اختیار کروں یا وہ راستہ؟

لیکن آخر کار حر نے جنت کا راستہ اختیار کیا۔اس نے آہستہ آہستہ اپنا گھوڑا ایک طرف کیا۔اس طرح سے کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ اس کا مقصد اور ہدف کیا ہے۔ جیسے ہی وہ ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں اب کوئی اس کا راستہ نہیں روک سکتا تھا' اُس نے یکا یک اپنے گھوڑے کو چابک رسید کی اور امام حسینؑ کے خیموں کی طرف آ گیا۔

لکھا ہے کہ اس علامت کے طور پر کہ میں جنگ کی نیت سے نہیں آیا ہوں' امان کی غرض سے آیا ہوں' حر نے اپنی ڈھال کو الٹا کر لیا تھا۔امام حسینؑ کے قریب پہنچتا ہے' سلام عرض کرتا ہے' اور اس کا پہلا جملہ یہ ہوتا ہے کہ: هَلْ تَرىٰ لِیْ مِنْ تَوْبَةٍ؟ (لہوف۔ص ۴۳) کیا اس گناہ گار کی توبہ قبول ہوگی؟ امام حسینؑ فرماتے ہیں: ہاں! قبول ہے۔

امام حسینؑ کی کرم نوازی دیکھئے! یہ نہیں فرماتے کہ یہ کیسی توبہ ہے؟ ہمیں اس مشکل میں ڈالنے کے بعد اب توبہ کرنے آئے ہو؟ لیکن حسینؑ اس طرح نہیں سوچتے تھے۔حسینؑ ہر صورت میں لوگوں کی ہدایت کرنا چاہتے ہیں۔اگر آپؑ کے تمام جوانوں کو قتل کرنے کے بعد بھی عمر سعد کا لشکر توبہ کر لیتا' تب بھی آپؑ فرماتے کہ تم سب کی توبہ قبول کرتا ہوں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ جب حادثۂ کربلا کے بعد یزید ابن معاویہ نے علی ابن الحسینؑ (امام زین

العابدین) سے کہا تھا کہ اگر میں توبہ کرلوں تو کیا میری توبہ قبول ہوگی؟ تو امامؑ نے فرمایا تھا کہ: ہاں' اگر تو واقعی سچی توبہ کرلے تو قبول ہوگی۔لیکن اُس نے توبہ نہیں کی۔

حرؒ نے امام حسینؑ سے کہا: آقا! مجھے میدان میں جانے کی اجازت دیجئے تاکہ میں آپ پر اپنی جان فدا کردوں۔امامؑ نے فرمایا: تم ہمارے مہمان ہو' گھوڑے سے نیچے آؤ' چند لمحے یہاں ٹھہرو۔حر نے عرض کیا: آقا! آپ کی اجازت سے میرا جانا بہتر ہوگا۔

حر شرمندہ تھے' انہیں شرم آرہی تھی۔ کیوں؟ اسلئے کہ وہ دل میں کہہ رہے تھے کہ خدایا میں ہی وہ گناہگار ہوں جس نے سب سے پہلے تیرے اولیا کے دلوں کو تڑپایا تھا۔تیرے نبی کی اولاد کو دہشت زدہ کیا تھا۔

وہ کیوں حسین ابن علیؑ کے ساتھ بیٹھنے پر تیار نہیں ہوئے؟

کیونکہ انہوں نے یہ سوچا ہوگا کہ میں یہاں بیٹھوں' تو کہیں ایسا نہ ہو کہ حسینؑ کا کوئی بچہ یہاں آجائے' اس کی نظر مجھ پر پڑے اور میں شرم کے مارے ڈوب مروں۔

"وَ لَاحَوْلَ وَ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَ صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِهِ الطَّاهِرِیْنَ."

"بِاسْمِکَ الْعَظِیْمِ الْاَعْظَمِ، اَلْاَعَزِّ الْاَجَلِّ الْاَکْرَمِ یَااَللّٰهُ ...
اَللّٰهُمَّ اقْضِ حَوَائِجَنَا، وَاکْفِ مُهِمَّاتِنَا، وَاشْفِ مَرْضَانَا، وَ ارْحَمْ مَوْتَانَا، وَ اَدِّ دُیُوْنَنَا، وَوَسِّعْ فِیْ اَرْزَاقِنَا، وَاجْعَلْ عَاقِبَةَ اُمُوْرِنَا خَیْراً، وَ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضیٰ."

"رَحِمَ اللّٰهُ مَنْ قَرَأَالْفَاتِحَةَ مَعَ الصَّلَوَاتِ."

☆......☆......☆

حضرت علی علیہ السلام

''جسے چار چیزیں دے دی گئیں وہ چار سے محروم نہیں رہ سکتا:

۱۔ جسے دعا کی توفیق مل گئی وہ قبولیتِ دعا سے محروم نہ رہے گا۔

۲۔ جسے توبہ کی توفیق حاصل ہوگئی وہ اس کی قبولیت سے محروم نہ رہے گا۔

۳۔ جسے استغفار کی توفیق دے دی گئی وہ مغفرت سے محروم نہ رہے گا۔

۴۔ اور جسے شکر کی توفیق مل گئی وہ اضافے سے محروم نہ رہے گا۔

(نہج البلاغہ۔ کلماتِ قصار۔ ۱۳۵)

دوسرا خطاب

یہ خطاب ۲۶ رمضان ۱۳۹۰ھ کو حسینیہ ارشاد تہران ایران میں کیا گیا۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

"اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ بَارِیٔ الخَلَائِقِ اَجمَعِینَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عَبدِ اللّٰہِ وَ رَسُولِہٖ وَحَبِیبِہٖ وَصَفِیِّہٖ، وَحَافِظِ سِرِّہٖ وَ مُبَلِّغِ رِسَالَاتِہٖ سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَمَولَانَا اَبِی القَاسِمِ مُحَمَّدٍ ﷺ وَعَلٰی آلِہِ الطَّیِّبِینَ الطَّاہِرِینَ المَعصُومِینَ. اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیمِ:

" قَالَا رَبَّنَا ظَلَمنَآ اَنفُسَنَا وَ اِن لَّم تَغفِر لَنَا وَ تَرحَمنَا لَنَکُونَنَّ مِنَ الخٰسِرِینَ." (سورۂ اعراف ۷۔ آیت ۲۳)

گزشتہ رات ہماری گفتگو توبہ کے بارے میں تھی۔ ہم نے عرض کیا تھا کہ توبہ اہلِ سلوک اور اہلِ عبادت و بندگی کی پہلی منزل ہے۔ اگر کوئی پروردگار کے تقرب کا خواہشمند ہو، تو اس کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنے کی غرض سے اُسے چاہیئے کہ اپنے سیاہ ماضی سے منہ موڑے اور توبہ کرے۔

توبہ کی مہلت کب تک ہے؟

ہم نے وعدہ کیا تھا کہ توبہ کی جو وضاحت حضرت علی علیہ السلام نے کی ہے، اور جس میں توبہ کی حقیقت، اس کی شرائط اور اس کے مرحلۂ کمال کی نشاندہی کی ہے، اُسے آپ کی

خدمت میں بیان کریں گے۔ اس بارے میں امامؑ کے بیان کو عرض کرنے سے پہلے مقدمے کے طور پر ایک سوال کا جواب عرض کرتے ہیں۔ وہ سوال یہ ہے کہ: انسان کی توبہ کس وقت قبول ہوتی ہے، کونسا موقع توبہ کا وقت ہوتا ہے؟ یعنی کس وقت تک انسان کو توبہ کی مہلت حاصل ہے؟

انسان جب تک اس دنیا میں ہے اور اس کا رشتۂ حیات باقی ہے اور جب تک موت بالکل اس کے سر پر نہ آجائے، اسے توبہ کی مہلت حاصل ہے۔ جب انسان موت کے چنگل میں گرفتار ہو چکا ہو اور اسے نجات کی کوئی امید نہ ہو، صرف اس وقت اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ وہ آخری لمحات اور لحظات جنہیں احادیث میں وقتِ معائنہ کہا گیا ہے، یعنی وہ لمحہ جب انسان موت کا اور اگلے جہان کا معائنہ کرتا ہے، انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، اور عین اس وقت جبکہ ابھی وہ زندہ ہوتا ہے اسکے باوجود اگلی دنیا کو اپنے سامنے موجود پاتا ہے۔ اس لمحے سے پہلے پہلے انسان کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ لیکن خود اس لمحے میں توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اسی طرح آخرت میں بھی توبہ بے معنی ہو جاتی ہے۔ وہاں نہ انسان کو توبہ کا حوصلہ ہوگا اور نہ اگر بالفرض توبہ کرنا بھی چاہے، جو قطعی طور پر حقیقی توبہ نہیں ہوگی، صرف ایک ظاہری عمل ہوگا، اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اس معاملے میں ایسا کیوں ہے؟ کیونکہ اس سوال کا جواب ہماری گزشتہ رات کی گفتگو کو مکمل کرے گا، اسلئے ہم آج رات یہ گفتگو کر رہے ہیں۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ "معائنے" کے لمحے میں توبہ کیوں قبول نہیں ہوتی:

قرآن واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ:

"فَلَمَّا رَاَوا بَاْسَنَا قَالُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَحدَہٗ وَ کَفَرنَا بِمَا کُنَّا بِہٖ مُشرِکِینَ." (۱)

۱۔ پھر جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم خدائے یکتا پر ایمان لائے ہیں اور جن باتوں کا شرک کیا کرتے تھے سب کا انکار کر رہے ہیں۔ (سورۂ مومن ۴۰۔ آیت ۸۴)

یعنی جوں ہی انہوں نے ہمارے انتقام کو دیکھا، توبہ کرنا چاہی، ہم اُن کی توبہ قبول نہیں کریں گے۔ جس لمحے ہمارا انتقام ان کے سر پر پہنچے اس لمحے ان کا اظہارِ ایمان کرنا، اظہارِ توبہ کرنا بے فائدہ ہوگا۔

کیوں؟

اسلئے کہ توبہ صرف پشیمانی اور صرف پلٹنے کا نام نہیں ہے۔ یعنی اگر انسان کسی بھی سبب سے صرف اپنی گمراہی سے لوٹ آئے، تو اسے توبہ شمار نہیں کیا جائے گا۔ توبہ اس وقت ہوگی جب انسان کے اندر ایک اندرونی انقلاب پیدا ہو جائے۔ یعنی انسان کی شہوانی، غضبی اور شیطانی قوتیں اُس کی تباہ کاریوں کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں، اور انسان کے وجود کی مملکت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ یہ ہیں توبہ کے معنی۔ توبہ یعنی انسان کا اندرونی انقلاب۔

ایک مرحلے پر پہنچنے کے بعد، جب انسان کو محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ موت کے چنگل میں پھنس چکا ہے اور عذابِ الٰہی اسے اپنے سامنے نظر آتا ہے ظاہر ہے وہ ایسے موقع پر اظہارِ ایمان کرتا ہے، لیکن ایمان کا یہ اظہار اُس کے اندر پیدا ہونے والا مقدس انقلاب نہیں ہوتا۔ قرآن، فرعون کے بارے میں کہتا ہے:

"حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَکَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ." (۱)

فرعون جب تک دنیا میں ہے اور اس کے جسم کو دنیا کی ہوا لگ رہی ہے وہ فرعونیت کا مظاہرہ کرتا ہے، کوئی دلیل نہیں مانتا، کسی وعظ و نصیحت کو قبول نہیں کرتا، موسیٰ اور جادوگروں کے درمیان مقابلے منعقد کرواتا ہے، خود جادوگر ایمان لے آتے ہیں لیکن وہ مزید سرکشی کا اظہار کرتا ہے، موسیٰ اور ان کی قوم کے قتل کے درپے ہو جاتا ہے، اُن کا تعاقب کرتا

۱۔ یہاں تک کہ جب غرق ہونے کے قریب پہنچ گیا تو اس نے آواز دی کہ میں اس خدائے واحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آیا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ (سورۂ یونس ۱۰۔ آیت ۹۰)

ہے۔ جب وہ دریا میں ڈوبنے لگتا ہے، پانی اسے گھیر لیتا ہے، اُسے اپنی زندگی کا اختتام نظر آنے لگتا ہے اور اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اب اُس کے پاس بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں رہا، تو کہتا ہے: قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ. ہاں، میں اب موسیٰ کے خدا پر ایمان لے آیا۔

اب یہاں پہنچ کر اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

خدا اس کی توبہ کیوں قبول نہیں کرے گا؟

کیا خدا بخل سے کام لے رہا ہے؟

نہیں، اگر توبہ ہو تو وہ قبول کرے! یہ توبہ ہی نہیں ہے۔ توبہ یعنی باطن میں پیدا ہونے والا ایک مقدس انقلاب۔ یہ مقدس باطنی انقلاب نہیں ہے۔

ایک ایسا انسان جو دریا کی تہہ میں ہو، جس کے چاروں طرف پانی ہی پانی ہو، وہ جس طرف بھی نگاہ اٹھائے اُسے پانی ہی دکھائی دے، اور اس حال میں وہ توبہ کا اظہار کرے، تو ایسے شخص کا ضمیر منقلب نہیں ہوا ہے، اُس کی فطرت زندہ نہیں ہوئی ہے، اُس نے خود اپنے خلاف قیام نہیں کیا ہے۔ بلکہ اب اس حال میں جب وہ اپنے آپ کو بے بس اور لاچار محسوس کر رہا ہے، تو مجبوراً اظہارِ تسلیم کر رہا ہے۔ لہٰذا اُس سے کہتے ہیں کہ: آلْئٰنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ۔ (۱)

لمحے بھر پہلے جب تم آزاد تھے، اُس وقت تم نے یہ بات کیوں نہ کہی؟ گھڑی بھر پہلے جب تم آزاد تھے، اگر اُس وقت یہ کہا ہوتا، تو پتا چلتا کہ تمہارے اندر ایک مقدس انقلاب پیدا ہوا ہے۔ لیکن اب جب یہ کہتے ہو تو یہ، کسی مقدس انقلاب کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ مجبوری اور بے بسی کی بنا پر ہے۔

دنیا کا کونسا مجرم ایسا ہے جو عدالت کے کٹہرے میں آنے کے بعد پشیمانی کا اظہار نہیں

۱۔ تو آواز آئی کہ اب جبکہ تو پہلے نافرمانی کر چکا ہے۔ (سورۂ یونس ۱۰۔ آیت ۹۱)

کرتا؟ لیکن یہ پشیمانی نہیں ہے' اصلاح نہیں ہے' راہِ راست پر آنے کی علامت نہیں ہے۔ اگر گرفتار ہونے سے پہلے خود مجرم کے اندر انقلاب پیدا ہو جائے اور اس کے پاس جرم کرنے کا موقع ہو' اُس کے باوجود جرم کا مرتکب نہ ہو' تو اس کا نام توبہ اور مخلصانہ رجوع ہے۔ پس آخری لمحات میں' اس حال میں کہ جب انسان کو دوسری دنیا نظر آنے لگتی ہے اُس کی توبہ قبول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ توبہ ہوتی ہی نہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ وہ توبہ ہے لیکن اسے قبول نہیں کیا جاتا' نہیں' یہ اصلاً توبہ ہوتی ہی نہیں ہے۔

رہی بات یہ کہ اُس دوسری دنیا میں انسان کی توبہ کیوں قبول نہیں ہوتی؟ تو پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کا جواب اسی پہلے جواب سے واضح ہے۔ کیونکہ اُس دنیا میں بھی انسان ہر چیز کو دیکھ لیتا ہے' سب کچھ اُس کے سامنے ہوتا ہے۔ لہٰذا جب وہ وہاں پر توبہ کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ خدایا! میں پشیمان ہوں' تو اُس کا یہ اظہارِ پشیمانی اُس میں پیدا ہونے والے باطنی مقدس انقلاب کی وجہ سے نہیں ہے' ایک آزاد انقلاب نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ جوں ہی انسان اس دنیا سے قدم باہر رکھتا ہے' اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اب اُس کی حیثیت کیا ہے۔ اُس کی حیثیت اُس پھل کی سی ہے جو ایک درخت پر تھا اور اب پک کر یا کسی بھی وجہ سے درخت سے جدا ہو گیا ہے۔

پھل جب تک درخت پر رہتا ہے' اُس وقت تک درخت کے نظام کا تابع ہوتا ہے۔ اگر اُس کی نشوونما ہوتی ہے' تو درخت کے ذریعے ہوتی ہے۔ اگر اُس تک پانی پہنچتا ہے' تو درخت کی جڑوں کے راستے پہنچتا ہے۔ اگر غذائی مواد اُس تک پہنچتا ہے' تو درخت کے ذریعے پہنچتا ہے۔ اگر وہ ہوا سے استفادہ کرتا ہے' تو درخت کے ذریعے استفادہ کرتا ہے۔ اگر اُس کا ذائقہ میٹھا ہوتا ہے' تو اُس عمل اور ردِ عمل کا نتیجہ ہوتا ہے جو درخت میں انجام پاتا ہے۔ اگر اُس کا رنگ بدلتا ہے' تو یہ بھی درخت ہی کے ذریعے ہوتا ہے۔

جوں ہی پھل درخت سے جدا ہوتا ہے' اُس کے لئے موجود تمام امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً لمحے بھر پہلے جو سیب زمین پر گرا تھا' وہ کچا درخت پر موجود تھا' اُس کے لئے اِس

بات کا امکان تھا کہ وہ پک جائے' ایک اور مرحلہ طے کرلے' اُس کا رنگ بدل جائے' اُس کے حجم میں اور اضافہ ہو جائے' ذائقہ اور خوشگوار ہو جائے' اُس کی مٹھاس بڑھ جائے' وہ زیادہ خوشبو دار ہو جائے۔ لیکن جوں ہی وہ درخت سے گرتا ہے' اُس کے لئے تمام امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ یعنی جس لمحے وہ درخت سے گرا تھا وہی اُس کی آخری کیفیت' آخری حالت ہوتی ہے۔

انسان درختِ کائنات کا پھل ہے' دنیا کے درخت کا پھل ہے۔ ہم انسانوں کے لئے موجود تمام امکانات' اسی کائنات' اسی دنیا میں ہیں۔ ہمارے لئے اچھے ہونے کا امکان اسی دنیا میں پایا جاتا ہے' ہمارے بُرے اور بدتر ہونے کے وسائل بھی اسی دنیا میں موجود ہیں۔ جب ہم اس دنیا میں موجود ہوتے ہیں' تو کائنات اور دنیا کے درخت پر ہوتے ہیں' اس درخت کا پھل ہوتے ہیں۔

این جهان همچون درخت است اے گرام
ما بر آن' چون میوه های نیم خام

جب تک ہم کائنات کے درخت کی شاخ پر ہیں' ہمارے پاس تمام امکانات موجود ہیں۔ اگر ہم عبادت کریں' تو پکے ہوئے پھل کی طرح پک جائیں گے اور اگر گناہ کے مرتکب ہوں' تو سڑے ہوئے پھل کی مانند سڑ جائیں گے۔ جیسے کوئی کیڑا یا گھن (۱) درخت کے ذریعے اس پھل تک پہنچ گیا ہو۔

توبہ بھی امکانات میں سے ایک امکان ہے۔ اُس پانی یا خوراک کی مانند ہے جو درختِ کائنات کے ذریعے ہم تک پہنچنا چاہئے۔ لہٰذا مرنے کے بعد ہمارے کام نہیں آئے گی۔

کیوں؟

۱۔ درخت یا غلے میں لگنے والا ایک کیڑا۔

اسلئے کہ ہم نے عرض کیا کہ توبہ ایک مقدس انقلاب ہے' اور تمام تبدیلیوں' تغیرات اور انقلابات کا تعلق اِس دنیا سے ہے۔ اپنی راہ کو بدلنا' اپنی سمت میں تبدیلی لانا سب کا سب اِس دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ اوپر اٹھنا اور نیچے گرنا اس دنیا میں ممکن ہے۔ جوں ہی ہم اُس دنیا میں قدم رکھیں گے' جس حد اور درجے میں ہوں گے' جس راہ پر ہوں گے' جس سمت ہمارا رخ ہوگا وہیں ٹھہر کے رہ جائیں گے۔ اُسی مقام پر ہمارے عمل کی آخری حد ختم ہو جائے گی۔

ایک اور مثال پیشِ خدمت ہے:

بچہ جب تک رحمِ مادر میں ہوتا ہے' ماں کے وجود سے وابستہ ہوتا ہے۔ اُس کی خوراک ماں کی جانب سے ہے' اُس کے بدن کا مائع اور پانی ماں کے وجود سے ہے' اُس کی تندرستی اور بیماری ماں سے ہے۔ لیکن جیسے ہی وہ ماں سے پیدا ہوتا ہے' ماں سے اُس کی یہ وابستگیاں ختم ہو جاتی ہیں' اُس کی زندگی ایک اور نظام کے تابع ہو جاتی ہے۔ اور اب وہ ایک لمحے کے لئے بھی اُس پہلے نظام کے ساتھ' جو رحمِ مادر کا نظام تھا' زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ جوں ہی انسان اِس دنیا سے جاتا ہے' اُس کی زندگی کا نظام یکسر بدل جاتا ہے۔ اور اُس کے لئے اس دنیا کے نظاموں سے معمولی سے استفادے کا امکان بھی نہیں رہتا۔ عمل اور توبہ' پیش قدمی اور پسپائی' اوپر اٹھنا اور نیچے آنا اور راستے اور سمت کو تبدیل کرنا' یہ سب باتیں اس دنیا سے تعلق رکھتی ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کا قول ہے:

"اَلْیَوْمَ عَمَلٌ وَ لَا حِسَابٌ وَ غَدًا حِسَابٌ وَ لَا عَمَلَ." (۱)

فرماتے ہیں: اے لوگو! آج عمل کا دن ہے' حساب کا دن نہیں۔ دنیا جزا اور احتساب کا مقام نہیں۔ البتہ یہ نہیں کہہ رہے کہ دنیا میں کسی مکافاتِ عمل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ بعض اعمال کی دنیا ہی میں مکافات ہے۔ اور دنیا میں انسان کو جن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے

۱۔ آج عمل کا دن ہے' حساب نہیں ہے اور کل حساب کا دن ہوگا' عمل کی گنجائش نہیں ہوگی۔ (نہج البلاغہ۔ خطبہ ۴۲)

اُن میں سے بعض انسان کے عمل کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ لیکن یہ نہ سمجھئے گا کہ خدا ہر بُرے عمل کا حساب اسی دنیا میں لے لیتا ہے۔ اور نہ یہ تصور پیدا ہو کہ جس کسی بُری حالت کا انسان کو شکار ہونا پڑتا ہے وہ اُس کے کسی گزشتہ عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ نہیں' ایسا نہیں ہے۔

لہٰذا اگر اِس دنیا میں انسان کو کوئی سزا نہیں ملتی' تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُس کا حساب صاف ہے۔ نہیں' ایسا نہیں ہے۔ اور اگر کسی کو دنیا میں کوئی سختی دیکھنا پڑے' تو یہ اِس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ اعمالِ بد کا مرتکب ہوا ہے۔ مثلاً یہ جو ایک سیلاب آیا اور پاکستانیوں کو ہلاکت سے دوچار کیا (۱) کیا یہ اُن کے بُرے عمل کی دلیل ہے؟ یعنی خدا نے اِس دنیا ہی میں اُن کا حساب کر دیا ہے؟ نہیں' ایسا نہیں ہے۔ اسلام ہمیں یہ درس دیتا ہے کہ: اَلْیَوْمَ عَمَلٌ وَ لَا حِسَابٌ وَ غَدًا حِسَابٌ وَ لَا عَمَلَ. دنیا مقامِ عمل ہے' مقامِ حساب نہیں۔ اِس کے برعکس آخرت مکانِ عمل نہیں' صرف اور صرف حساب لئے جانے کی جگہ ہے۔

پس یہ جو انسان کے لئے توبہ کا وقت موت اور اُس کے آثار نظر آنے سے پہلے تک محدود کیا گیا ہے' اور جب انسان کو موت اپنے سر پر نظر آنے لگے (جیسے فرعون کے ساتھ ہوا تھا) تو ایسے وقت میں اُس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی' اور اسی طرح عالمِ آخرت میں توبہ نہ ہونے کا سبب وہی باتیں ہیں جنہیں ہم نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔

اِن سے ہمیں کیا نتیجہ حاصل کرنا چاہیے؟

بقول حضرت علی علیہ السلام: اَلْیَوْمَ عَمَل (آج عمل کا دن ہے)۔ لہٰذا ہمیں موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اُن لوگوں میں سے نہیں ہونا چاہیے جو یہ سوچ کر توبہ میں تاخیر کرتے رہتے ہیں کہ ابھی بہت وقت پڑا ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے:

"یَعِدُهُمْ وَ یُمَنِّیْهِمْ وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا." (۲)

۱۔ یہ اُس زمانے میں پاکستان میں آنے والے ایک سیلاب کی جانب اشارہ ہے۔
۲۔ شیطان اُن سے وعدہ کرتا ہے اور انہیں امیدیں دلاتا ہے' اور وہ جو بھی وعدہ کرتا ہے وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ (سورۂ نساء ۴۔ آیت ۱۲۰)

یہ امید رکھنا کہ ابھی دیر نہیں ہوئی، ابھی تو ہماری کافی عمر باقی ہے، ابھی ہم نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے، یہ شیطانی بہلاوے ہیں، نفسِ امارہ کے فریب ہیں۔ انسان کو توبہ میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔

یہاں ہماری تمہید ختم ہوئی، اب حضرت علیؑ کے کلام کی طرف آتے ہیں:

توبہ کی شرائط

جب اُس شخص نے حضرت علیؑ کے سامنے استغفار کی اور حضرتؑ نے یہ محسوس کیا کہ وہ شخص استغفار کے معنی، اُس کی حقیقت اور اُس کے بلند مقام سے واقف نہیں ہے، تو آپؑ نے اعتراض کرتے ہوئے اُس سے کہا: ثَکِلَتکَ اُمُّکَ، أَتَدرِیُ مَا الِاستِغفَارُ؟ اَلِاستِغفَارُ دَرَجَةُ العِلِّیِّینَ. خدا تجھے موت دے، تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے اور روئے! تو لفظ استغفار کہتا ہے؟ جانتا بھی ہے استغفار کی حقیقت کیا ہے؟ استغفار علیین کا مرتبہ ہے۔ (علیین یعنی وہ لوگ جو قربِ الٰہی کے اُن بلند درجات پر فائز ہیں) اِس کے بعد آپؑ نے فرمایا: استغفار اور توبہ ایک کلمہ ہے جو چھے بنیادوں پر قائم ہے۔

حضرت علیؑ کی بیان کی ہوئی ان چھے بنیادوں کو علما نے اس طرح سمجھا ہے کہ اِن میں سے دو توبہ کی رکن و اساس ہیں۔ دوسری دو توبہ کی قبولیت کی شرط ہیں (یعنی دو توبہ کی حقیقت کو تشکیل دیتی ہیں اور دوسری دو حقیقی توبہ کی قبولیت کی شرط کو) اور آخری دو توبہ کے کامل ہونے کی شرط ہیں۔

اب دیکھتے ہیں یہ چھے شرائط ہیں کیا؟

فرماتے ہیں: اَوَّلُهَا النَّدَمُ عَلٰی مَا مَضٰی. توبہ کی پہلی شرط (رکن) ماضی پر پشیمانی، حسرت، افسوس اور باطنی خلش اور تکلیف ہے۔ یعنی توبہ اُس وقت حقیقی توبہ ہے جب آپ اپنے گزشتہ سیاہ اعمال نامے پر نگاہ ڈالیں، تو یکلخت ایک ندامت، ایک پشیمانی، ایک افسوس اور غیر معمولی حسرت آپ کے اندر پیدا ہو، آپ اپنے دل میں ایک خلش محسوس

کریں اور خود سے کہیں کہ یہ میں نے کیا کیا تھا؟!

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کبھی انسان کوئی کام اس خیال سے کرتا ہے کہ اس سے اُسے فائدہ پہنچے گا۔ یہ کام کرنے کے بعد یکایک وہ دیکھتا ہے کہ مثلاً اس کام سے اُسے دس ہزار روپے کا نقصان ہوا ہے۔ جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو کہتا ہے: اوہ! اور اپنی انگلی دانتوں میں دبا لیتا ہے۔ ہائے! میں نے کیوں ایسا کام کیا؟! اس چیز کو پشیمانی اور حسرت کہتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ: میں نے فلاں کام کیا، اور اب اس کی وجہ سے اتنا پشیمان ہوں، ایسا پچھتا رہا ہوں کہ اگر پچھتاوے کے سینگ ہوتے تو ابھی میرے سینگ نکل آتے۔ ایسی ہی پشیمانی اور ندامت توبہ کی پہلی شرط ہے۔ خدانخواستہ آپ کے لب ایک حرام مثلاً شراب سے آلودہ ہیں۔ پھر ایک مرتبہ آپ سوچتے ہیں کہ آخر قرآنِ کریم نے شراب نوشی کے بارے میں کیا کہا ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ:

"یٰاَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوآ اِنَّمَا الخَمرُ وَ المَیسِرُ وَ الاَنصَابُ وَ الاَزلَامُ رِجسٌ مِن عَمَلِ الشَّیطٰنِ فَاجتَنِبُوهُ لَعَلَّکُم تُفلِحُونَ." (۱)

شراب، جوا اور بت پرستانہ کام خبائث ہیں، اگر بہتری، سعادت اور کامیابی چاہتے ہو، تو اِن سے دور رہو۔ شراب نوشی، سعادت اور کامیابی کے منافی عمل ہے۔ جوا، اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے، یہ جس شکل وصورت میں بھی ہو گناہانِ کبیرہ میں اِس کا شمار ہوتا ہے۔ مسلمان جوا نہیں کھیلتا۔

غیبت کی مذمت

ہم کیسے مسلمان ہیں جو اسلام کی طرف سے حرام کئے گئے بڑے بڑے کاموں کا بھی

۱۔ اے ایمان والو! شراب، جوا، بت، پانسہ یہ سب گندے شیطانی اعمال ہیں۔ لہٰذا ان سے پرہیز کرو تا کہ کامیابی حاصل کر سکو۔ (سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۹۰)

ارتکاب کر بیٹھتے ہیں؟ قرآن ہمارے درمیان رائج اس گناہ یعنی غیبت کرنے اور تہمت لگانے کے بارے میں اور کس قدر متنبہ کرے؟ خدا کی قسم! انسان کو لوگوں کے درمیان رائج اس قدر تہمت پر تعجب ہوتا ہے!!

آپ جانتے ہیں تہمت کیا ہے؟ ہمارے پاس اوّل درجے کے دو گناہانِ کبیرہ ہیں۔ ان میں سے ایک جھوٹ بولنا اور دوسرا غیبت کرنا ہے۔ گناہ کبیرہ، یعنی وہ گناہ جس کی وجہ سے انسان جہنم میں جانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔

"وَ لَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡهِ مَیۡتًا."(۱)

اے لوگو! ایک دوسرے کی غیبت نہ کرنا۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ مسلمان بھائی کا گوشت کھائے؟!

مردے کا گوشت کھانا کس قدر کریہہ اور نفرت انگیز ہے۔ خصوصاً اگر انسان اس مردہ شخص کو جانتا ہو اور وہ اس کا دوست بھی ہو۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی تعبیر ہو سکتی ہے؟!

تہمت، یعنی جھوٹ بھی اور غیبت بھی۔ یعنی جب یہ دو گناہ (جھوٹ اور غیبت) مل جائیں، تو اس کا نام تہمت ہو جاتا ہے۔ ہمارے درمیان تہمت کتنی عام ہے۔ ہم میں سے بعض لوگ مقدس بننے کی خاطر (کسی کی غیبت کرتے ہوئے) اپنی بات سے پہلے "لوگ کہتے ہیں" لگا دیتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص نے کسی دوسرے پر تہمت لگائی، اب ہم چاہتے ہیں کہ اس تہمت کا بار اپنی گردن پر نہ لیں (ہم سمجھتے ہیں کہ خدا کو بھی دھوکا دیا جا سکتا ہے!) لہٰذا ہم کہتے ہیں: لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص ایسا ہے، کہتے ہیں کہ فلاں جگہ ایسی ہے۔ دوسرا ہم سے سننے کے بعد کسی اور جگہ جا کے کہتا ہے: لوگ ایسا کہتے ہیں۔ اور پھر کہتا ہے: میں یہ نہیں

۱۔ ایک دوسرے کی غیبت نہ کرنا، کیا تم میں سے کوئی یہ بات پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ (سورۂ حجرات ۴۹۔ آیت ۱۲)

کہتا کہ میں کہتا ہوں (بلکہ) دوسرے ایسا کہتے ہیں۔ قرآن نے اس سے بھی منع کیا ہے اور اس کو بھی ایک بڑا گناہ شمار کیا ہے۔ فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ."(۱)

جو لوگ کسی مومن شخص، مومن افراد یا مومنین کے کسی ادارے کے بارے میں کوئی بُری اور قبیح بات پھیلانا پسند کرتے ہیں (اُن کے لئے ایک دردناک عذاب ہے) اگر آپ نے کسی احمق سے، کسی مفاد پرست سے یا کسی ایسے شخص سے جس کی بات کی جڑ کے بارے میں آپ جانتے ہوں کہ وہ کہاں ہے کسی کے متعلق کوئی بات سنی ہو تو آپ کو حق نہیں پہنچتا کہ آپ کہیں کہ "میں نے سنا ہے" یا یہ کہ "لوگ کہتے ہیں"۔ خود یہ کہنا بھی کہ "کہتے ہیں" تشیع فاحشہ (برائی پھیلانا) ہے۔ دوسرے گناہ بھی اسی طرح ہیں۔

جو شخص نظر بازی کرتا ہے، لوگوں کی عزت و ناموس کے ساتھ خیانت کرتا ہے، اسے پتا ہونا چاہئے کہ پیغمبر اسلام کا فرمان ہے:

"زِنَی الۡعَیۡنِ النَّظَر"

"نظر بازی آنکھوں کا زنا ہے۔" (بحار الانوار۔ ج ۱۴)

(اسی طرح) جس نے نماز ترک کی، جس نے روزہ چھوڑا۔

مجھے نہیں معلوم ہم کس قسم کے مسلمان ہیں؟! انسان کو شرم محسوس ہوتی ہے، لوگ ماہ رمضان میں سڑک پر چلتے ہوئے، علی الاعلان ہونٹوں میں سگریٹ دبائے چلے جا رہے ہوتے ہیں! کوئی گاڑی میں بیٹھا سگریٹ پیتا نظر آتا ہے۔ ہر سال پولیس کی جانب سے اعلان کیا جاتا ہے کہ کسی کو روزہ خوروں کے خلاف اقدام کا حق نہیں ہے، خود پولیس

۱۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ صاحبان ایمان میں بدکاری کا چرچا پھیل جائے، اُن کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔ (سورۂ نور ۲۴۔ آیت ۱۹)

کارروائی کرے گی۔ ہم نے تو نہیں دیکھا کہ کسی پولیس والے نے کسی روزہ خور کو ٹوکا ہو۔

علیٰ الاعلان روزہ خوری اسلام کی بے حرمتی ہے، یہ عمل قرآن کی بے عزتی کرنا ہے، پیغمبر اسلام کی توہین کرنا ہے۔ اگر آپ روزہ خوری کرنا چاہتے ہیں، تو اپنے گھر میں کیجئے۔ اگر آپ نے اپنے گھر میں روزہ خوری کی، تو آپ ایک گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہوں گے لیکن جب آپ سڑکوں پر روزہ خوری کرتے ہیں، تو روزہ خوری کے ساتھ ساتھ آپ اسلام کی توہین بھی کرتے ہیں۔

توبہ کرنے کے لئے پہلے ہمیں چاہیے کہ اپنی کی ہوئی غیبتوں پر ایک نظر ڈالیں، اپنی شراب نوشیوں کو پیشِ نظر رکھیں، اپنی کی ہوئی تہمتوں کو مدنظر رکھیں، اپنے جوا کھیلنے پر نظر ڈالیں، اپنی نظر بازیوں کو دیکھیں، خواتین اپنے عریاں لباسوں کا جائزہ لیں۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے معراج میں ایسی عورتوں کو دیکھا جنہیں ان کے بالوں سے لٹکایا گیا تھا اور آتشیں کوڑوں سے ان کو مار رہے تھے۔ میں نے حیرت کے ساتھ جبرئیلؑ سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ آپ کی امت کی وہ عورتیں ہیں جو اپنے بال نامحرموں سے نہیں چھپاتی تھیں۔ اُس وقت بے پردگی کا رواج تو نہیں تھا لیکن رسولؐ نے چشمِ باطن سے دیکھا۔ (یہ چیزیں چودہ سو سال پہلے سے کتابوں میں ہیں)۔ فرمایا: میں نے ایسی عورتوں کو دیکھا جنہیں ان کے سینوں سے لٹکایا گیا تھا اور ان کے سینوں پر کوڑے مارے جا رہے تھے۔ یہ عورتیں جو اِس حال میں تھیں، یہ کون تھیں؟ فرمایا: مجھے بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت کی وہ عورتیں ہیں جو دوسروں کے سامنے اپنے بدن کی نمائش کرتی ہیں۔

آخر دنیا کی یہ چار دن کی زندگی کیا حیثیت رکھتی ہے کہ (اسے اس طرح بسر کرکے) انسان اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے عذابِ الٰہی میں مبتلا کرلے؟ بخدا! درست ہے، بقول یہ چکنے گھڑے ہیں۔ یہ جسارت آخر کب تک؟ خدا کے خلاف بغاوت کب تک؟ پیغمبر اسلام کی توہین کب تک؟ اب یہ توہین چاہے زبانی کی جائے چاہے تحریری۔ انسان کیا کہے کہ اس ملک میں ایسی کتاب شائع ہوتی ہے جو سرتاپا پیغمبر اسلام کی توہین سے بھری ہے اور اس کی

پشت پر باقاعدہ نمبر بھی ثبت ہے (یعنی وہ باقاعدہ حکومت سے منظور شدہ بھی ہے) اسے اشاعت کی باقاعدہ اجازت بھی دی گئی ہے! ہوش میں آؤ، ذرا سوچو، کب تک غفلت میں پڑے رہو گے؟

"اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ۔" (سورۂ حدید ۵۷۔ آیت ۱۶)

کیا وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ہمارے یہ دل جھک جائیں، خاشع ہو جائیں، یادِ خدا کے لئے نرم ہو جائیں اور خدا کی جانب سے نازل ہونے والے اس برحق قرآن کی پرواہ کریں؟ اس کی تعلیمات پر توجہ کریں؟

دیکھئے محرم آرہا ہے۔ اگر ہمارا دل زیادہ سے زیادہ اس بات پر خوش ہو کہ کسی مجلس میں شرکت کرکے چند قطرے آنسو بہالیں، تو واللہ یہ کافی نہیں ہے۔ ہمیں اپنے اور اپنے اسلام کے حال پر کچھ دیر غور وفکر کرنا چاہئے۔ ہمارے بچے ہاتھ سے نکل گئے ہیں، ہماری اولادیں ہاتھ سے نکل گئی ہیں، ہماری لڑکیاں ہاتھ سے نکل گئی ہیں، ہمارا معاشرہ ہاتھ سے نکل گیا ہے، ہمیں ان کے بارے میں کچھ سوچنا چاہئے، ہمیں چاہئے توبہ کریں۔

(دوبارہ امیر المومنینؑ کے کلام کی طرف آتے ہیں)

فرمایا: سب سے پہلے تو تمہاری روح میں خلش پیدا ہونی چاہئے، اسے شعلہ ور ہونا چاہئے، تم اپنے آپ کو حسرت میں ڈوبا ہوا محسوس کرو، ندامت اور پچھتاوے میں غرق محسوس کرو۔ اپنے گناہوں پر نظر ڈالو! اپنے اعمال کا محاسبہ کرو، اپنے آپ سے حساب لو، دیکھو کہ روزانہ کتنے گناہانِ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہو؟ شیخ بہائی کہتے ہیں:

جد تو آدم بہشتش جای بود — قدسیان کردند بہر او سجود
یک گنہ ناکردہ، گفتندش تمام — مذنبی، مذنب، برو بیرون خرام
تو طمع داری کہ با چندین گناہ — داخل جنت شوی اے روسیاہ؟

(اے انسان تیرے جد آدمؑ بہشت میں تھے اور فرشتوں نے ان کو سجدہ کیا

تھا۔ لیکن جوں ہی وہ ایک گناہ کے مرتکب ہوئے' اُن سے کہہ دیا گیا کہ بس اب یہ سب کچھ ختم۔ تم گناہ گار ہو۔ اب یہاں سے چلے جاؤ۔ لیکن اے روسیاہ! تو یہ سمجھتا ہے کہ کئی گناہ کر کے بھی جنت میں چلا جائے گا)

توبہ کی دوسری شرط (رکن) کیا ہے؟ فرمایا: اَلْعَزْمُ عَلٰی تَرْکِ الْعَوْدِ. ایک مردانہ عزم' ایک پکا ارادہ کہ اب مزید میں یہ عملِ بدانجام نہیں دوں گا۔

البتہ یہ جو شعر میں نے پڑھے ہیں' اِن سے کہیں میں نے آپ کو مایوس نہ کیا ہو۔ یہ نہ سمجھئے گا کہ لیجئے ہمارا تو کام تمام ہو گیا۔ نہیں لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ (سورۂ زمر ۳۹۔ آیت ۵۳)۔ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔

جتنے بھی گناہ کئے ہوں' بارگاہِ الٰہی میں لوٹ جایئے' خدا قبول کرلے گا۔ (توبہ کی قبولیت کی) تمام شرائط کا ذکر کیا گیا ہے' لیکن گناہ کی حد اور مقدار کا ذکر نہیں کیا گیا۔ یہ نہیں کہا ہے کہ اگر تمہارے گناہ اس حد تک ہوئے تو تمہاری توبہ قبول ہوگی اور اگر اس سے زیادہ ہوئے تو نہیں۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ توبہ کرو' قبول ہوگی' البتہ شرط یہ ہے کہ توبہ صدقِ دل سے کی گئی ہو۔ اگر آپ کے باطن میں خلش پیدا ہو جائے' آپ کی روح میں ایک مقدس انقلاب بپا ہو جائے' آپ گناہ کی طرف نہ پلٹنے کا عزم کرلیں' تو آپ کی توبہ قبول ہے۔ ہاں' شرط یہ ہے کہ آپ کا عزم حقیقی عزم ہو۔ ایسا نہ ہو کہ یہاں آئے اور دل ہی دل میں اپنے بُرے حالوں پر افسوس کیا اور باہر جاتے ہی سب کچھ بھول گئے۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں' بلکہ یہ زیادہ بُری چیز ہے۔

امامؑ فرماتے ہیں: جو لوگ استغفار کرتے ہیں اور پھر دوبارہ گناہ کرتے ہیں' اُن کا استغفار کرنا استغفار نہ کرنے سے زیادہ برا ہے۔ کیونکہ یہ توبہ کا مذاق اڑانا ہے' خدا کی تضحیک کرنا ہے' توبہ کی تضحیک کرنا ہے۔

یہ دو چیزیں توبہ کی رکن ہیں:

پہلی چیز: ندامت' حسرت' باطنی خلش' ماضی پر دکھ' گناہ پر مکمل پچھتاوا۔

اور دوسری چیز: دوبارہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم اور پکا ارادہ۔

لیکن توبہ کی دو شرطیں بھی ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق' حقوق الناس اُن کو لوٹانا چاہئیں۔ خدا عادل ہے' وہ اپنے بندوں کے حقوق نظر انداز نہیں کرتا۔ (لوگوں کے حقوق انہیں لوٹانے کے) معنی کیا ہیں؟ آپ نے لوگوں کا مال ہڑپ کیا ہے؟ آپ کو چاہئے کہ وہ مال اس کے مالک کو واپس کریں' یا کم از کم اُس کی رضامندی حاصل کریں۔ آپ نے لوگوں کی غیبت کی ہے؟ آپ کو انہیں راضی کرنا چاہئے' آپ کو چاہئے کہ خود کو چھوٹا بنائیں' اُن کے پاس جائیں' اُن سے کہیں کہ جناب میں نے آپ کی غیبت کی ہے' التماس کرتا ہوں کہ مجھے معاف فرمادیں۔

ایک قصہ خود میرے ساتھ بھی پیش آیا ہے' نہیں معلوم اسے بیان کرنا درست ہے یا نہیں؟

میری طالب علمی کا زمانہ تھا' طالبِ علمی کے دنوں میں' البتہ دوسری جگہوں سے کم' لیکن پھر بھی ایسا اتفاق ہو جاتا ہے کہ انسان کسی محفل میں بیٹھا ہوتا ہے اور کچھ لوگ مختلف لوگوں کی غیبت شروع کردیتے ہیں اور بسا اوقات انسان خود بھی اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ خدا رحمت کرے مرحوم آیت اللہ العظمیٰ آقائے حجت رضوان اللہ علیہ پر۔ میں ایک مرتبہ ایسے حالات میں پھنس گیا اور کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ جا بیٹھا جنہوں نے آقائے حجت کی غیبت کی۔

آقائے حجت میری گردن پر استادی کا حق رکھتے ہیں' میں نے کئی سال ان سے درس پڑھا تھا' حتیٰ اُن کے درس میں ایک عام مقابلے میں اُن سے انعام بھی حاصل کیا تھا۔

ایک مرتبہ مجھے احساس ہوا کہ یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ میں کیوں وہاں جا پھنسا؟ ایک مرتبہ گرمیوں میں وہ حضرت عبدالعظیم (کے حرم کے علاقے) میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ ایک دن سہ پہر کے وقت میں نے ان کے گھر پر دستک دی اور کہا کہ انہیں بتائیں فلاں آیا ہے۔ وہ اندرونی میں تھے۔ اجازت عنایت کی۔ مجھے یاد ہے کہ میں اندر گیا' اُن کے

سر پر ٹوپی تھی اور وہ ایک تکئے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے (وہ بوڑھے اور بیمار تھے یہ اُن کے انتقال سے دو تین سال پہلے کی بات ہے) میں نے عرض کیا: جناب عالی میں ایک بات عرض کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ انہوں نے فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے آپ کی غیبت کی ہے' البتہ بہت کم' لیکن نسبتاً زیادہ غیبت سنی ہے۔ میں اپنے اس عمل پر پشیمان ہوں' کہ آخر میں کیوں ایک ایسی محفل میں شریک رہا جس میں لوگ آپ کی غیبت کر رہے تھے' پھر میں نے آپ کی غیبت سنی اور کیوں خود میری زبان پر بھی آپ کی غیبت آ گئی۔ اب جبکہ میں نے عزم کر لیا ہے کہ کبھی آپ کی غیبت نہیں کروں گا' اور ہرگز کسی سے آپ کی غیبت نہیں سنوں گا۔ لہٰذا میں یہ عرض کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے معاف کر دیں' مجھ سے درگزر فرمائیں۔

وہ جس بزرگواری کے حامل تھے انہوں نے اُس کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا: ہم جیسے لوگوں کی غیبت کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مرتبہ (ہماری غیبت) اس طرح کی جاتی ہے کہ اُس سے اسلام کی توہین ہوتی ہے اور ایک مرتبہ (غیبت) خود ہماری ذات سے متعلق ہوتی ہے۔ (میں سمجھ گیا کہ اُن کا مقصد کیا ہے) نہیں' میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی اور کوئی ایسی جسارت نہیں کی جس سے اسلام کی توہین ہوتی ہو۔ جو کچھ تھا وہ آپ کی ذات سے متعلق تھا۔ انہوں نے فرمایا: میں نے تمہیں معاف کیا۔

انسان اگر توبہ کرنا چاہتا ہے' تو اُسے چاہئے کہ لوگوں کے حقوق اور اُن کے قرض ادا کرے۔ ایسا شخص جس کے ذمے زکات ہو اور اس نے وہ ادا نہ کی ہو' اُس کی گردن پر حق الناس ہے' اسے چاہئے کہ وہ ادا کرے۔ ایسا شخص جس کے ذمے خمس ہو اور اُس نے وہ ادا نہ کیا ہو' اُس کی گردن پر حق الناس ہے' اُسے چاہئے اُسے ادا کرے۔ ایسا شخص جس نے رشوت لی ہو' اُسے چاہئے وہ اسے اس کے مالک کو واپس کرے۔ ایسا شخص جس نے کسی بھی ذریعے سے کوئی حرام مال بنایا ہے' اُسے چاہئے کہ اُس مال کو واپس کرے۔ اگر کسی نے کسی پر کوئی زیادتی کی ہو' تو اسے چاہئے کہ اُس کی رضا حاصل کرے۔ توبہ' یوں ہی نہیں کی جاسکتی!

حضرت علیؑ نے فرمایا ہے: توبہ کی شرط یہ ہے کہ لوگوں کے جو حقوق تمہارے ذمے ہیں اُنہیں واپس لوٹاؤ۔ مثلاً آپ نے لوگوں کا مال ہڑپ کیا ہے اور اب اُنہیں دینے کے لئے آپ کے پاس کچھ نہیں ہے اور آپ ایسے حالات میں ہیں کہ اُن تک دسترس نہیں۔ مثلاً وہ لوگ مر چکے ہیں۔ ایسی صورت میں استغفار کریں' اُن کے لئے مغفرت طلب کریں' انشاء اللہ خدا اُنہیں (آپ سے) راضی کر دے گا۔

توبہ کی (قبولیت کی) دوسری شرط یہ ہے کہ حقوق اللہ ادا کریں۔ حق اللہ سے کیا مراد ہے؟ مثلاً روزہ حق اللہ ہے' روزہ خدا کا ہے۔ جو روزے آپ نے چھوڑے ہیں اُن کی قضا کیجئے۔ جو نمازیں آپ نے چھوڑی ہیں' ان کی قضا ادا کیجئے۔ آپ مستطیع تھے لیکن حج کو نہیں گئے تھے' آپ کو چاہئے کہ اپنا حج انجام دیں۔ یہ مذاق نہیں ہے۔ حج کے بارے میں آیا ہے کہ اگر کوئی صاحب استطاعت ہو جائے اور اُسے کوئی عذرِ شرعی بھی نہ ہو' یعنی اُسے طبیعی استطاعت حاصل ہو اور سفر کے لحاظ سے کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اُسے مالی استطاعت حاصل ہو اور اُس کی اقتصادی حالت اسے اجازت دیتی ہو۔ جسمانی استطاعت رکھتا ہو اور ایسا مریض نہ ہو جو چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوتا' اس کے باوجود وہ حج نہ کرے' یہاں تک کہ مر جائے' ایسا شخص مرتے وقت اسلام کی حالت میں دنیا سے نہیں جائے گا۔ اُس کے پاس خدا کے فرشتے آتے ہیں اور اُس سے کہتے ہیں: مُتْ اِنْ شِئْتَ یَهُودِیًّا وَ اِنْ شِئْتَ نَصْرَانِیًّا (وسائل الشیعہ۔ ج ۸۔ ص ۲۰' ۲۱) تم نے اسلام کے اِس رُکن کو انجام نہیں دیا۔ اب تمہیں اختیار ہے' چاہو تو یہودی مرو اور چاہو تو نصرانی۔ اب تم مسلمان نہیں مر سکتے۔

کیسے ممکن ہے کہ انسان مسلمان ہو اور نماز نہ پڑھتا ہو؟! مجھے یاد آیا کہ دو تین رات قبل جب میں نے فُضَیل بن عیاض کے بارے میں بات کی تھی' تو بعد میں مجھے ایک محترم خاتون کا ایک خط دیا گیا' جس میں لکھا تھا کہ اگر آپ اپنے سننے والوں کا احترام کرتے ہیں تو اپنی تقریر میں اس بات کا بھی تذکرہ کریں۔ کیونکہ یہ بات بتانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ بہتر ہے۔ لہٰذا میں بیان کرتا ہوں:

انہوں نے لکھا تھا کہ میں ایک رات صرف اُسی پہلی مرتبہ کے لئے یہاں آئی تھی لیکن میں اس قدر متاثر ہوئی کہ میں نے فیصلہ کیا کہ دوبارہ بھی یہاں آؤں گی۔ میں آج آئی ہوں اور آئندہ بھی آؤں گی۔ میں نے تربیتی علوم میں ماسٹرز کیا ہے، پرنسپل ہوں (اس وقت مجھے یہ یاد نہیں کہ وہ پرائمری اسکول کی پرنسپل تھیں یا ہائی اسکول کی)۔ آپ نے بہت سی باتیں کیں فُضیل بن عیاض میں قرآن کی ایک آیت سُن کر انقلاب بپا ہوگیا، یا نماز اور حضورِ قلب کے بارے میں بیان کیا۔ میں بدقسمت جو سرے سے قرآن کے معنی ہی نہیں سمجھتی، کیا کروں؟ میں، جو نماز کے معنی ہی نہیں سمجھتی میرے لئے اس کے دوران حضورِ قلب کیونکر ممکن ہے؟ گویا یہ خاتون اپنی زبانِ حال سے یہ کہہ رہی ہیں کہ ہم نے نرسری پڑھی، پرائمری پڑھی، ہائی اسکول اور کالج، یونیورسٹی کی تعلیم بھی مکمل کی لیکن قرآن، ہمیں کہیں نہیں سکھایا گیا۔ لہٰذا آپ یہاں اس حد تک عربی سکھانے کا کوئی بندوبست کیجئے کہ لوگ کم وبیش قرآن کے معنی سمجھ سکیں، نماز کے معنی جان سکیں اور کم از کم نماز کو اُس کی روح کے ساتھ پڑھ سکیں، قرآن کو اس کی روح کے ساتھ پڑھ سکیں، قرآن کی ایک آیت بھی پڑھیں، تو اسے سمجھیں۔

میں (دوستوں کے مشورے سے) آپ سب کے لئے ایک جواب دینا چاہتا ہوں۔

میں نے ہمیشہ اظہار کیا ہے اور اس کو واجب ترین واجبات میں سے سمجھتا ہوں کہ مسلمان عربی زبان سے واقفیت حاصل کریں، وہ سمجھیں کہ نماز میں کیا پڑھتے ہیں، اپنے قرآن کو سمجھیں۔ لیکن کیا کیا جائے کہ دنیا کی ہوس نے ہمیں اس طرح گرفت میں لے لیا ہے کہ کیونکہ انگریزی زبان آمدنی اور مادیات کی کنجی ہے اسلئے ہم اپنے سات سالہ بچے کو بھی انگریزی سیکھنے بھیج دیتے ہیں۔ بہت کم گھرانے ایسے ہوں گے جن میں کم از کم ایک فرد انگریزی نہ جانتا ہو لیکن ہم اس بات کے لئے تیار نہیں کہ عربی کے لئے ایک کلاس ترتیب دیں اور خدا کی خاطر عربی زبان سیکھیں، اپنی نماز کے لئے عربی سیکھیں، اپنے قرآن کے لئے عربی سیکھیں۔ کئی مرتبہ اعلان کر چکے ہیں کہ ہم یہاں عورتوں اور مردوں کے لئے عربی سیکھنے کی کلاس ترتیب دینے کو تیار ہیں، لوگ آئیں اور اپنے نام درج کرائیں، عورتوں اور مردوں

کے لئے علیحدہ علیحدہ کلاسیں ہوں گی، یہ ادارہ (حسینیہ ارشاد مراد ہے) ان کے لئے مفت عربی زبان سکھانے کے انتظام کو تیار ہے کیونکہ یہ واجب ہے۔

(پھر اصل موضوع کی طرف آتے ہیں)

اس کے بعد حضرت علیؑ نے دو موضوع بیان کئے ہیں، جو سچی توبہ کی تکمیل کی شرائط ہیں۔ فرمایا: توبہ، اُس وقت توبہ ہے جب اُس گوشت کو گھلا دو جسے تم نے حرام کھا کر پروان چڑھایا ہے۔ یہ انسان کا گوشت نہیں ہے۔ یعنی؟ یعنی یہ گوشت جو رت جگے کی محفلوں میں تمہارے بدن پر چڑھا ہے، یہ بدن جو تم نے بنایا ہے حرام سے ہے، تمہاری ہڈیاں حرام سے بنی ہیں، تمہاری جلد حرام سے بنی ہے، تمہارا گوشت حرام سے بنا ہے، تمہارا خون حرام سے بنا ہے۔ تمہیں کوشش کرنی چاہئے کہ ان کو پگھلاؤ اور اس کی جگہ وہ گوشت نشوونما پائے جو حلال ذرائع سے پیدا ہوا ہو۔ اپنے آپ کو گھلاؤ۔

یقیناً، اِس بات کا آپ کو یقین نہیں آرہا ہوگا۔

میرے والد بتاتے تھے کہ مرحوم حاج میرزا حبیب رضوی خراسانی، جن کے شعر آج کل آپ لوگ بہت سنتے ہیں اور جو خراسان کے ایک بڑے مجتہد، عارف، فلسفی اور حکیم تھے، اچھے ڈیل ڈول کے مالک اور بہت فربہ تھے۔ زندگی کے آخری دنوں میں ان کی ملاقات ایک اہلِ دِل، اہلِ معنی اور اہلِ حقیقت ہستی سے ہوئی۔ حاج میرزا حبیب نے اپنے اس علمی مقام، معاشرے میں اپنی اس شہرت اور خراسان کے درجۂ اوّل کے مجتہد ہونے کے باوجود اس زاہد، متقی اور روحانی انسان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کئے۔

والد صاحب بتاتے ہیں کہ کچھ عرصے بعد میں نے اچھے تن و توش کے مالک اُن حاج میرزا حبیب کو اس حال میں دیکھا کہ اُن کا بدن انتہائی لاغر ہو چکا تھا (لوگ دبلا ہونے کے لئے یورپ جاتے ہیں اور ڈائٹنگ کرتے ہیں!) ہم نے دیکھا کہ حاج میرزا حبیب کا بدن اپنی عمر کے آخری حصے میں گھل کر کم ہوگیا تھا۔ وہ حضرت علیؑ کے فرمان کا مصداق بن گئے تھے کہ اس گوشت کو (البتہ میں اُن کی شان میں گستاخی نہیں کر سکتا اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ حرام

کے راستے سے) جو تم نے غفلت کے عالم میں پروان چڑھایا ہے' اسے گھلاؤ۔

چھٹی شرط بھی آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ فرمایا: یہ بدن جس نے اس قدر گناہوں کی لذت چکھی ہے' اسے طاعت کی تکلیف کا مزہ چکھاؤ۔ نزاکت اور ناز ونعم کی فضا سے باہر نکلو' ناز ونعم کا دلدادہ شخص خدا کا بندہ نہیں بن سکتا۔ ایسا شخص سرے سے انسان ہی نہیں بن سکتا' وہ انسان ہی نہیں۔ آپ روزہ رکھتے ہیں' دشوار ہوتا ہے۔ کیونکہ دشوار ہوتا ہے اسلئے خاص طور پر رکھئے۔ آپ ساری رات عبادت میں گزارنا چاہتے ہیں' لیکن آپ کو دشوار محسوس ہوتا ہے' کیونکہ دشوار محسوس ہوتا ہے اسلئے خاص کر یہ کام کیجئے۔ کچھ عرصے اپنے آپ کو مشقت اور صعوبت میں ڈالیں' اپنی تربیت کریں۔

قرآن میں دو تعبیریں ہیں' جن کا ذکر اُس نے توبہ کے بعد کیا ہے۔

ایک یہ کہ توبہ کو تطہیر کے ساتھ ملاتا ہے۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے:

"اِنَّ اللہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَ یُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِیۡنَ." (۱)

خدا توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

قرآن کیا کہنا چاہتا ہے؟

کہتا ہے' توبہ کرو اور توبہ کے پانی سے خود کو دھو ڈالو' پاک کرو۔ چشمِ بینا رکھو۔ صفائی صرف بدن کی نہیں ہوتی۔ بدن کو ہم اچھی طرح صاف رکھتے ہیں۔ البتہ یہ نہ صرف کوئی بُری بات نہیں بلکہ اچھی بات بھی ہے' اسے صاف رکھنا بھی چاہئے۔ ہمارے رسولؐ دنیا کے صاف ترین رہنے والے لوگوں میں سے تھے۔ ہم ہر روز شاور لیتے ہیں' چند دنوں میں ایک بار اپنے بدن پر صابن لگاتے ہیں' اپنا لباس تبدیل کرتے ہیں' اپنے کوٹ پینٹ کو صاف ستھرا اور داغ دھبوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ کیوں؟ اسلئے کہ ہم صاف ستھرا رہنا چاہتے ہیں۔ تو کیا آپ صرف یہی بدن ہیں؟! اپنے آپ کو پاک کیجئے' اپنی روح کو پاک کیجئے'

۱۔ بے شک خدا توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (سورۂ بقرہ۲۔ آیت ۲۲۲)

اپنے قلب کو پاک کیجئے' اپنے دل کو پاک کیجئے۔ اپنے اس قلب' دل اور روح کو آبِ توبہ سے پاک کیجئے۔ "اِنَّ اللہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَ یُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِیۡنَ."

قرآن کی ایک اور تعبیر یہ ہے کہ وہ بعض دوسرے مقامات پر توبہ کو کلمۂ اصلاح کے ساتھ بیان کرتا ہے:

" فَمَنۡ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِ ظُلۡمِهٖ وَ اَصۡلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوۡبُ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ." (۱)

کل رات ہم نے عرض کیا تھا کہ انسان کی خصوصیات اور امتیازات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بعض اوقات اس کا نصف وجود اس کے دوسرے نصف وجود کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے' انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی عرض کیا تھا کہ یہ قیام اور یہ انقلاب کبھی تو انسان کے وجود کے پست مقامات کی جانب سے ہوتا ہے' شہوت قیام کرتی ہے' غضب اٹھ کھڑا ہوتا ہے' شیطنت سر ابھارتی ہے اور کبھی یہ قیام انسان کی روح کے اعلیٰ مقامات کی جانب سے ہوتا ہے۔ عقل قیام کرتی ہے' فطرت جوش میں آتی ہے' ضمیر اٹھ کھڑا ہوتا ہے' دل اور ضمیر کی گہرائی قیام کرتی ہے۔

اگر انسان کے وجود کے غیر مقدس مقامات کی جانب سے قیام ہو' (یہاں جب ہم اعلیٰ اور پست کہتے ہیں تو مراد مقدس اور غیر مقدس ہے) حیوانی عناصر کی طرف سے قیام ہو' تو اس قیام وانقلاب کا نتیجہ ایک ہلچل اور افراتفری کی صورت میں برآمد ہوتا ہے' اس کا نام بلوہ ہے۔ کل رات ہم نے مثال عرض کی تھی کہ جن لوگوں نے تقدس' زہد اور تقویٰ کے نام پر خواہشات کے اعتبار سے محرومی اٹھائی ہے اور خود کو محروم رکھا ہے' یکا یک دیکھتے ہیں کہ وہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں' ایک عجیب دھماکے کی سی کیفیت اور افراتفری کا عالم اُن

۱۔ پھر ظلم کے بعد جو شخص توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے' تو خدا اس کی توبہ قبول کرلے گا کہ اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (سورۂ مائدہ۵۔ آیت ۳۹)

پر طاری ہو جاتا ہے۔ اسے دھماکے اور بلوے کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن یہ کیفیت اُس قیام اور انقلاب کے برخلاف ہے جو انسانی وجود کے مقدس عناصر کی جانب سے برپا ہوتا ہے۔ وہ انقلاب جو عقل انسانی وجود میں برپا کرتی ہے' وہ شورش جو انسان کی خداشناس اور خداپرست فطرت برپا کرتی ہے' وہ ایک مقدس انقلاب ہے۔ مقدس انقلاب اصلاح کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ مقدس انقلاب ماضی کے قبیح اثرات کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ مقدس انقلاب قصاص لیتا ہے۔ وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ. (۱)

ہم نے عرض کیا تھا کہ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے: اپنے بدن سے انتقام لو' قصاص لو۔ جو گوشت حرام سے پروان چڑھا ہے' اسے گھلاؤ' اُسے تحلیل کرو۔ یہ نفسانی خواہشات سے قصاص اور انتقام لینا ہے۔ انقلاب جب مقدس ہوتا ہے' تو گزشتہ بُرے اثرات کو مٹانا چاہتا ہے اور مٹا بھی دیتا ہے۔ اسی لئے قرآن یوں بیان کرتا ہے کہ: فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ. یعنی جو توبہ اور اصلاح کرے۔

بنیادی طور پر توبہ ایک اصلاحی قیام ہے اس کے سوا کچھ اور نہیں۔

آج جاگنے کی رات ہے۔ ہمیں چاہئے آج کی شب دعا کریں' قرآن سر پر رکھیں۔ لہٰذا میں اپنی گزارشات کو مختصر کرتا ہوں۔

ہم نے کل رات عرض کیا تھا کہ انسان کا ایک امتیاز توبہ ہے' نیز یہ بھی عرض کیا تھا کہ راستہ بدلنا' رُخ تبدیل کرنا صرف انسان کا خاصہ نہیں ہے' حیوانات میں بھی یہ خصوصیت پائی جاتی ہے اور حتیٰ نباتات میں بھی کسی حد تک یہ صفت موجود ہے۔ لیکن راہ کی جس تبدیلی کا نام توبہ ہے اور جس کے معنی ایک قسم کا مقدس اندرونی انقلاب ہے' یہ صرف انسان کے ساتھ مختص ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے۔

نوعِ بشر کے تمام رہنماؤں کے مقابلے میں انبیا کو ایک امتیاز اور ایک خصوصیت یہ

۱۔ صاحبانِ عقل' تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔ (سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۱۷۹)

حاصل ہے کہ دوسرے رہنما معاشرے میں جو انقلاب لے کر آتے ہیں' اُن کی زیادہ سے زیادہ کامیابی یہ رہی ہے کہ انہوں نے ایک گروہ کو' ایک طبقے کو' یا افرادِ بشر کے طبقات کو کسی دوسرے طبقے یا طبقات کے خلاف کھڑا کیا ہے۔ معاشرے میں دو محاذ وجود میں لے آتے ہیں' اور ایک محاذ کو دوسرے محاذ کے خلاف کمربستہ کر دیتے ہیں۔ ایک کے ہاتھ میں ڈنڈا اور دوسرے کے ہاتھ میں خنجر دے کر اُنہیں ایک دوسرے کے خلاف یلغار پر ابھارتے ہیں۔

البتہ یہ ایک اچھا کام ہے۔

کس مقام پر یہ کام اچھا ہے؟

اُس مقام پر جہاں ایک ظالم اور ایک مظلوم طبقہ پیدا ہو جائے۔

مظلوم کو اپنے حق کے حصول کی دعوت دینا' خود ایک انسانی عمل ہے۔ یہ عمل اسلام میں پایا جاتا ہے۔ انبیا نے بھی یہ عمل انجام دیا ہے۔ خاص طور پر اسلام میں تو ظالم کے خلاف مظلوم کی حوصلہ افزائی کرنا اور اسے تقویت پہنچانا شامل ہے۔ اپنے دو عظیم بیٹوں حسن اور حسین کے نام حضرت علیؑ کی وصیتوں میں سے یہ بھی ہے کہ: كُوْنَا لِلظَّالِمِ خَصْمًا وَ لِلْمَظْلُوْمِ عَوْنًا (ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار بنے رہنا۔ نہج البلاغہ۔ مکتوب ۴۷)

لیکن ایک اور عمل ہے جسے دوسرے انقلابی رہنما انجام دینے پر قادر نہیں' صرف انبیا اسے انجام دینے پر قادر تھے۔ ان کے سوا کسی اور میں اسے انجام دینے کی قدرت نہیں۔ اور وہ عمل یہ ہے کہ وہ انسان کو خود اپنے خلاف ابھارتے تھے۔ یعنی ایسا کام کرتے تھے کہ از خود انسان میں احساسِ گناہ پیدا ہو اور پھر وہ خود اپنے خلاف قیام کرے' مقدس انقلاب بپا کرے' شورش کرے۔ اسی کو توبہ کہا جاتا ہے۔ آپ کو انبیا کے سوا کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں ملے گا جس میں یہ قدرت پائی جاتی ہو کہ وہ لوگوں کو خود اپنی بدکاریوں اور جرائم کے خلاف قیام و انقلاب پر آمادہ کرے۔ انبیا نہ صرف مظلوم کو ظالم کے خلاف ابھارتے تھے بلکہ اُنہوں نے خود ظالم کو اُس کے اپنے ہی خلاف ابھارا!

اگر آپ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو دیکھیں گے کہ اسلام نے مظلوم' مفلس' محروم

رکھے گئے اور حقیر سمجھے جانے والے لوگوں کو ابوسفیان اور ابوجہل جیسے اکڑ باز لوگوں کے خلاف بھی ابھارا اور ابوسفیان اور ابوجہل کی صف اور طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو خود اپنے خلاف بھی کھڑا کر دیا۔ اور انہیں بھی ان محروم کئے ہوئے لوگوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ یہ طاقت صرف انبیا اور اولیا ہی میں پائی جاتی ہے۔ انسان کو خود اُس کی بدکاریوں اور جرائم کے خلاف ابھارنا انبیا اور اولیا کے سوا کسی اور کے بس کی بات نہیں ہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بغداد کے بازار سے گزر رہے تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ امام کس حال میں ہوں گے (شور شرابے' دھوم دھڑ کے کے ساتھ نہیں گزر رہے ہوں گے) ایک گھر سے ساز و آواز رقص و سرود کی آوازیں بلند تھیں۔ جس وقت امام اس گھر کے سامنے سے گزرے' عین اُسی وقت اُس گھر سے ایک کنیز باہر نکلی' اُس کے ہاتھ میں کوڑے کا تھیلا تھا' جسے وہ مثلاً اسلیئے لائی تھی کہ شہر کی صفائی پر مامور عملا اسے اٹھا کے لیجائے۔ امام نے اُس کنیز سے پوچھا: یہ صاحب خانہ بندہ ہے یا آزاد؟ کنیز نے اس سوال پر اظہار تعجب کیا' اور بولی: ظاہر ہے آزاد ہے؟ اس گھر کا مالک شہر کی ایک معروف اور جانی پہچانی شخصیت ''بشر'' ہے۔ آپ یہ کیسا سوال کرتے ہیں؟

شاید اس موقع پر اور سوال جواب بھی ہوئے ہوں' جو تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں درج نہیں ہوئے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس کنیز کو واپس جانے میں تاخیر ہوگئی۔ جب وہ گھر میں واپس آئی تو صاحبِ خانہ ''بشر'' نے اس سے پوچھا: کیوں تاخیر ہوئی؟ دروازے پر کیوں کھڑی رہی؟ اُس نے کہا: اس اس طرح کی وضع قطع کے ایک صاحب گھر کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے یہ یہ باتیں کیں' یہ سوال کیا جس کا میں نے یہ جواب دیا اور آخر میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ: اچھا' اب پتا چلا وہ بندہ نہیں آزاد ہے۔ کیونکہ اگر وہ بندہ ہوتا تو یہاں سے اِس قسم کی آوازیں نہ آرہی ہوتیں' یہ رقص و سرود یہاں نہیں ہو رہا ہوتا' یہ شراب نوشیاں نہ ہوتیں' یہ عیاشیاں نظر نہ آرہی ہوتیں۔

بشر یہ فقرہ اور کنیز کی بتائی ہوئی علامات سن کر سمجھ گیا کہ وہ موسیٰ ابن جعفرؑ تھے۔ (یہ ہوتا

ہے توبہ پر آمادہ کرنا اور انسان کے اندر سے انقلاب اٹھانا۔ اور یہ انبیا اور اولیا کے کاموں میں سے ہے۔ انبیا اور اولیاؑ کے سوا کسی اور میں اس قسم کے کاموں کی قدرت نہیں پائی جاتی) یہ شخص بغیر جوتے پہنے' ننگے پیر ہی دروازے کی طرف دوڑا' اور پوچھا وہ کس طرف گئے تھے۔ اُسے بتایا گیا: اس طرف۔ وہ دوڑتا ہوا امام کی خدمت میں پہنچا' اپنے آپ کو امام کے قدموں میں گرا لیا' اور بولا: آقا! آپ نے صحیح فرمایا تھا۔ میں بندہ ہوں' لیکن مجھے اپنے بندہ ہونے کا احساس ہی نہ رہا تھا۔ حضور! اب اسی لمحے سے میں واقعاً بندہ بننا چاہتا ہوں۔ آپ کی خدمت میں توبہ کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

اُس نے وہیں امام کے سامنے توبہ کی اور واپس اپنے گھر لوٹ آیا۔ گھر پہنچ کر اُس سارے ساز و سامان کو اُٹھا کر پھینک دیا۔ پھر اس کے بعد کبھی جوتے بھی نہ پہنے۔ وہ بغداد کے بازاروں اور گلی کوچوں میں ننگے پاؤں پھرا کرتا اور لوگ اسے ''بشر حافی'' یعنی ننگے پاؤں رہنے والا بشر کہا کرتے تھے۔ جب لوگ اُس سے پوچھتے کہ: ننگے پیر کیوں چلتے ہو؟ تو وہ کہتا تھا کہ: جب مجھے امام موسیٰ ابن جعفر کی خدمت میں (توبہ کی) وہ توفیق حاصل ہوئی تھی تو میں ننگے پیر تھا۔ اب میرا دل نہیں چاہتا کہ دوبارہ جوتے پہنوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اسی حالت کو ہمیشہ محفوظ رکھوں جس میں مجھے وہ توفیق حاصل ہوئی تھی۔

بنی قریظہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک خیانت کے مرتکب ہوئے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے نمٹنے کا فیصلہ کیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیجئے' وہ ہمارا حلیف ہے' ہم اُس سے مشورہ کریں گے۔ نبی کریم نے ابولبابہ سے کہا کہ وہ جائیں۔ وہ گئے' اور اُن سے مشورہ کیا۔ لیکن یہودیوں سے اپنے ایک خاص تعلق کے زیر اثر انہوں نے مشورت کے دوران اسلام اور مسلمانوں کے مفادات کو پیش نظر نہ رکھا اور ایک ایسا جملہ کہا' ایک ایسا اشارہ کیا جو جملہ یا اشارہ یہودیوں کے مفاد اور مسلمانوں کے نقصان میں تھا۔

جب وہ باہر آئے تو انہیں احساس ہوا کہ وہ خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ابھی کسی

کو بھی اس بات کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ جوں جوں وہ چلتے ہوئے مدینہ سے نزدیک ہو رہے تھے اُن کے دل میں لگی یہ آگ اور بھڑک رہی تھی۔ وہ گھر آئے البتہ اپنے بیوی بچوں سے ملنے کے لئے نہیں، بلکہ انہوں نے وہاں سے ایک رسی اُٹھائی اور مسجدِ نبوی میں آ کر اس رسی کے ذریعے اپنے آپ کو مضبوطی کے ساتھ ایک ستون سے باندھ لیا۔ اور کہا کہ: بارِ الٰہا! جب تک میری توبہ قبول نہ ہوگی میں اپنے آپ کو اس ستون سے نہیں کھولوں گا۔ صرف نماز یا قضائے حاجت کے لئے ان کی بیٹی آ کر ان کی رسی کھولتی۔ وہ غذا بھی انتہائی مختصر کھاتے، بس ہر وقت التماس اور تضرع میں مشغول رہتے۔ کہتے کہ: خدایا! میں نے غلطی کی ہے، گناہ کر بیٹھا ہوں، الٰہی! میں نے اسلام اور مسلمین سے خیانت کی ہے، تیرے پیغمبر سے خیانت کا مرتکب ہوا ہوں، بارِ الٰہا! جب تک میری توبہ قبول نہ ہو جائے میں خود کو اس ستون سے نہ کھولوں گا، یہاں تک کہ میری موت واقع ہو جائے۔

لوگوں نے رسول اللہ کو آ کے بتایا کہ ابولبابہ نے ایسا کیا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا: اگر وہ میرے پاس آتا اور اقرار کرتا، تو میں بارگاہِ الٰہی میں اُس کے لئے استغفار کرتا۔ لیکن وہ براہِ راست خدا کے حضور چلا گیا ہے اور اب خود خدا اس کا فیصلہ کرے گا۔

مجھے نہیں معلوم دو شبانہ روز گزرے یا اس سے زیادہ۔ پیغمبر اسلام حضرت ام سلمہ کے گھر پر تھے کہ آپ پر وحی نازل ہوئی کہ اس شخص کی توبہ قبول کی جاتی ہے۔ پیغمبر نے حضرت ام سلمہ سے فرمایا: ام سلمہ اُس شخص کی توبہ قبول ہوگئی۔ ام سلمہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اجازت دیجئے کہ میں یہ بشارت اُسے سناؤں؟ آنحضرت نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔ پیغمبر کے تمام حجروں کی ایک کھڑکی مسجد کی جانب کھلتی تھی۔ اور انہیں مسجد کے اطراف تعمیر کیا گیا تھا۔ ام سلمہ نے اپنا سر کھڑکی سے نکالا اور کہا: ابولبابہ! میں تمہیں بشارت دیتی ہوں کہ خدا نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے۔ یہ بات مدینہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ خدا نے ابولبابہ کی توبہ قبول کر لی ہے۔ مسلمان اس کی رسی کھولنے کے لئے وہاں جمع ہو گئے۔ ابولبابہ نے کہا: نہیں، کوئی میری رسی نہ کھولے۔ میری خواہش ہے کہ رسول اللہ اپنے

دستِ مبارک سے مجھے کھولیں۔

لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! ابولبابہ کی خواہش ہے کہ آپ تشریف لائیں اور اپنے دستِ مبارک سے اسے کھولیں۔ آنحضرت تشریف لائے اور اسے رسیوں سے آزاد کیا۔ (یہ ہے حقیقی توبہ) فرمایا: ابولبابہ! تمہاری توبہ قبول ہوئی، تم پاک ہو کر اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ (بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے) کے مصداق بن گئے ہو۔ اب تمہاری حالت اس بچے کی سی ہے جو ابھی ابھی اپنی ماں سے متولد ہوا ہو۔ اب تمہارے وجود پر گناہ کا کوئی داغ نہیں ہے۔

جن لوگوں نے مدینہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ مسجدِ نبوی کے ایک ستون پر اُسْطُوانَةُ التَّوْبَه یا اُسْطُوانَةُ اَبِی لُبَابَه تحریر ہے۔ یہ وہی ستون ہے، لیکن اُس وقت یہ ستون لکڑی کا تھا، البتہ ستونوں کی جگہ تبدیل نہیں ہوئی ہے۔ یہ وہی ستون ہے جس سے پیغمبر اکرم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ابولبابہ کو کھولا تھا۔

ابولبابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ کی طرف سے توبہ قبول کئے جانے کی اس نعمت کے شکرانے کے طور پر اپنی تمام دولت راہِ خدا میں صدقہ دینا چاہتا ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا: نہیں، ایسا نہ کرو۔ اُس نے کہا: یا رسول اللہ! میں اللہ کی طرف سے توبہ قبول کئے جانے کی اِس نعمت کے شکرانے کے طور اپنی دولت میں سے دو تہائی راہِ خدا میں صدقہ دینا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: نہیں۔ اُس نے کہا: اجازت دیجئے کہ میں اپنی آدھی دولت راہِ خدا میں صدقہ کر دوں۔ آپ نے اس سے بھی منع کیا۔ اس پر ابولبابہ نے کہا: اچھا مجھے اپنی ایک تہائی دولت راہِ خدا میں صدقہ کرنے کی اجازت دیجئے۔ رسولِ کریم نے فرمایا: ہاں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہ ہے اسلام، جو تمام امور کو اپنی ٹھیک جگہ پر رکھتا ہے۔ تم کیوں اپنی ساری دولت صدقے میں دینا چاہتے ہو؟ تم کیوں اپنی آدھی دولت راہِ خدا میں صدقہ دینا چاہتے ہو؟ تمہارے بیوی بچے کیا کریں گے؟ کچھ مقدار، ایک تہائی مقدار راہِ خدا میں دے دو، بقیہ کو

اپنے پاس رکھو۔ (سفینۃ البحار۔ ج۲۔ ص۵۰۳)

ایک شخص کی وفات ہوگئی۔ پیغمبر نے اُس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس کے بعد پوچھا: اس کے کتنے بچے ہیں، اور اس نے اُن کے لئے کیا چھوڑا ہے؟ (کسی نے جواب دیا) اے اللہ کے رسول! اس کے پاس کچھ دولت تھی، لیکن مرنے سے پہلے اس نے وہ ساری دولت راہِ خدا میں دے دی۔ آپ نے فرمایا: اگر تم لوگوں نے یہ بات مجھے پہلے بتائی ہوتی، تو میں اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھتا!! یہ شخص معاشرے میں اپنے بھوکے بچے چھوڑ کر گیا ہے؟!

کہا جاتا ہے کہ اگر آپ وصیت کرنا چاہتے ہیں کہ میرے بعد میری دولت کو راہِ خدا میں اس طرح خرچ کیا جائے، تو اس دولت کے ایک تہائی کے بارے میں وصیت کیجئے۔ ایک تہائی سے زیادہ پر آپ کی وصیت لاگو نہیں ہوگی۔ حتیٰ بعض علما کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر کوئی بیمار شخص، اُس مرض کے دوران جو اُس کی موت پر منتہی ہوا، اپنے ایک تہائی سے زیادہ مال کو، اپنی موت سے قبل راہِ خدا میں دینا چاہے، تو کیونکہ اُس نے یہ عمل اپنے مرضِ موت میں انجام دیا ہے اسلئے، چاہے اُس نے اسے وصیت کے عنوان سے نہ دینا چاہا ہو بلکہ خود اپنے ہاتھ سے یہ مال دیا ہو، تب بھی اُس کا ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ کیوں؟ کیونکہ وہ صرف اپنے ایک تہائی مال کی وصیت کرسکتا ہے۔

البتہ توبہ کے درجات اور مراتب ہیں، لہٰذا ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ ہم نے خاص طور پر ان شبوں میں توبہ کی گفتگو چھیڑی ہے، کیونکہ یہ دعا، عبادت اور استغفار کی شبیں ہیں۔

برادران! پہلے درجے میں خود اپنے لئے استغفار کیجئے، مغفرت طلب کیجئے۔ پہلے مرحلے میں کوشش کیجئے کہ آپ اپنے گزشتہ گناہوں سے پاک ہوجائیں۔ آپ کا پاک ہونا یہ ہے کہ آپ پشیمان ہوجائیں، یہ ہے کہ آپ عزم کرلیں کہ اب دوبارہ گناہ نہیں کریں گے، یہ فیصلہ کرلیں کہ لوگوں کو اُن کے حقوق واپس لوٹائیں گے، خدا کے حقوق اسے واپس کریں گے۔ بخدا! اگر آپ اپنے آپ کو پاک کرلیں، تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کی تمام دعائیں مستجاب ہورہی ہیں۔ لہٰذا توبہ کیجئے۔

کل رات ہم نے آپ کی خدمت میں حر ابن یزید ریاحی کی توبہ کی داستان بیان کی تھی۔ حسین ابن علی کے اصحاب میں ایک اور شخص شامل ہیں، جن کا نام ''زہیر ابن قین'' ہے۔ ان کا شمار بھی توابین میں ہوتا ہے، لیکن ایک دوسری صورت سے۔ زہیر عثمانی تھے، یعنی حضرت عثمان کے شیعوں میں سے تھے، اُن لوگوں میں سے تھے جن کا عقیدہ تھا کہ حضرت عثمان مظلوم قتل کئے گئے ہیں، اور یہ تصور رکھتے تھے کہ نعوذ باللہ ان فتنوں میں حضرت علی کا ہاتھ تھا۔ حضرت علی کے بارے میں ان کے خیالات اچھے نہ تھے۔ وہ مکہ سے عراق واپس جارہے تھے۔ امام حسین بھی عراق تشریف لے جارہے تھے۔ زہیر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ حسین ابن علی کا سامنا کریں یا نہ کریں؟ کیونکہ بہر حال وہ دل سے ایک مومن شخص تھے اور اس بات سے باخبر تھے کہ حسین فرزندِ رسول ہیں اور امت پر کیا حق رکھتے ہیں۔ وہ خوفزدہ تھے کہ کہیں اُن کا امام سے سامنا ہو اور امام اُن سے کوئی ایسا تقاضا کر بیٹھیں جسے وہ پورا نہ کرسکیں، اگر ایسا ہوا تو بہت برا ہوجائے گا۔

راستے میں ایک منزل پر وہ امام کے ساتھ پڑاؤ ڈالنے پر مجبور ہوگئے۔ یعنی کسی پانی کے پاس یا کسی کنویں کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ امام نے ایک شخص کو ''زہیر'' کو بلانے کے لئے اُن کے پاس بھیجا۔ جب وہ شخص وہاں پہنچا تو اتفاقاً وہ کچھ لوگوں، اپنے ساتھیوں اور اپنے قبیلے کے افراد (زہیر اپنے قبیلے کے سردار تھے) کے ہمراہ ایک خیمے میں دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے۔ جوں ہی امام حسین کے بھیجے ہوئے شخص نے آکے کہا کہ: یَا زُهَیْرُ! اَجِبِ الْحُسَیْنَ یا اَجِبْ اَبَا عَبْدِ اللهِ الْحُسَیْن. زہیر کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور انہوں نے (خود سے) کہا: جو میں نہیں چاہتا تھا وہی ہوگیا۔

لکھا ہے کہ زہیر اور اُن کے ساتھ بیٹھے ہوئے افراد کے ہاتھ دسترخوان پر جہاں تھے وہیں رکے کے رکے رہ گئے۔ کیونکہ سب پریشان ہوگئے تھے۔ نہ وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم آرہے ہیں اور نہ یہ کہہ سکتے تھے کہ نہیں آتے۔ لکھتے ہیں: کَاَنَّهُ عَلیٰ رُؤُسِهِمُ الطَّیْرُ. (گویا اُن کے سر پر پرندے بیٹھے ہوں) زہیر کی بیوی نیک اور مومنہ عورت تھی۔ جب اسے

معلوم ہوا کہ زہیر نے حسین کے نمائندے کے جواب میں خاموشی اختیار کرلی ہے‘ تو وہ آگے بڑھی اور عجیب ملامت آمیز لہجے میں بولی: زہیر! تمہیں شرم نہیں آتی؟! فرزندِ رسول‘ فرزندِ زہرا نے تمہیں بلایا ہے‘ تمہیں تو ان کے پاس جانے پر فخر کرنا چاہئے۔ تمہیں تردد ہے؟ اٹھو‘ کھڑے ہو! زہیر اٹھے اور چلے گئے لیکن طوعاً و کرہاً‘ بے دلی سے۔

مجھے نہیں معلوم‘ یعنی تاریخ میں درج نہیں ہے اور شاید کسی کو بھی نہیں معلوم کہ امام حسین اور زہیر کی ملاقات کے دوران کیا ہوا؟ اُن کے درمیان کیا ہوا؟ کیا گفت و شنید ہوئی؟ لیکن جو بات مسلّم ہے‘ وہ یہ ہے کہ جب زہیر واپس آئے تو اُن کا چہرہ اُس چہرے سے بالکل مختلف تھا جب وہ گئے تھے۔ جب وہ جارہے تھے تو اُن کا چہرہ افسردہ اور غمگین تھا لیکن جب وہ باہر نکلے‘ تو اُن کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔

ہمیں نہیں معلوم امام حسین نے اُن کے وجود میں کیا انقلاب ایجاد کیا‘ انہیں کیا بات یاد دلائی‘ ہم نہیں جانتے۔ لیکن اتنا جانتے ہیں کہ زہیر کے وجود میں ایک مقدس انقلاب پیدا ہو چکا تھا۔ آئے اور آکے بیٹھ نہیں گئے‘ بلکہ دیکھا کہ وہ وصیت کررہے ہیں۔ میرے مال و دولت کا یہ کرنا‘ میرے بچوں کا یہ کرنا‘ اپنی زوجہ کے بارے میں وصیت کی کہ اسے اس کے والد کے گھر پہنچا دینا۔ وصیت مکمل کرنے کے بعد اپنے آپ کو تیار کیا اور کہا کہ میں جارہا ہوں۔ سب سمجھ گئے کہ اب زہیر نہیں آئیں گے۔

کہتے ہیں کہ جب وہ جانے لگے‘ تو اُن کی زوجہ نے آگے بڑھ کر اُن کا دامن تھام لیا اور بولیں: زہیر! تم جارہے ہو اور ایک عظیم مقام حاصل کررہے ہو‘ حسین کے نانا تمہاری شفاعت کریں گے۔ میں آج تمہارا دامن پکڑتی ہوں کہ قیامت میں حسین کے نانا اور حسین کی ماں میری شفاعت کریں۔ اس کے بعد زہیر کربلا کی صفِ اوّل کے اصحاب میں سے ہو گئے۔

عجیب عالم تھا۔ زوجۂ زہیر مضطرب تھی کہ کیا ہوتا ہے؟ جب اسے اطلاع ملی کہ حسین اور اُن کے تمام اصحاب شہید ہو گئے ہیں‘ تو سوچنے لگیں کہ یقیناً سب کے پاس کفن ہو گا لیکن

زہیر کے پاس کفن نہیں تھا اور وہاں اُن کا کوئی نہیں ہے۔ اس نے اپنے غلام کے ہاتھ ایک کفن بھیجا اور اُس سے کہا کہ: جاؤ زہیر کی تکفین کرو۔ لیکن جب وہ غلام وہاں پہنچا تو جو حالت اُس نے دیکھی اُس سے اُسے زہیر کو کفن دیتے ہوئے شرم محسوس ہوئی‘ کیونکہ اُس نے دیکھا کہ زہیر کے آقا کا بدن بھی بے کفن پڑا ہے۔

”لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَ صَلَّ اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ آلِہِ الطَّاھِرِینَ.“

بارِالٰہا! ہم سب کا انجام نیک فرما۔

بارِالٰہا! ہم سب کو سچی توبہ کی‘ توبۂ نصوح کی توفیق عنایت فرما۔

بارِالٰہا! اپنے لطف و کرم سے ہمارے گناہوں سے درگزر فرما۔

بارِالٰہا! ہمیں ان راتوں کے فیض سے محروم نہ فرما۔

رَحِمَ اللّٰہُ مَنْ قَرَءَ الْفَاتِحَۃُ مَعَ الصَّلوٰۃ.

☆......☆......☆

ہماری مطبوعات

ہمارے ائمہؑ اور سیاسی جدوجہد	آیت اللہ سید علی خامنہ ای
چھ تقریریں ولایت کے موضوع پر	آیت اللہ سید علی خامنہ ای
دنیائے جوان	آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ
فکر و نظر	آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ
فقہ زندگی	آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ
مہدئ منتظرؑ قیامِ عدل اور غلبۂ اسلام کی امید	آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ
حضرت علیؑ کی وصیت	آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ
امام حسینؑ نے کیوں قیام فرمایا؟	علامہ ابراہیم امینی، محمد باقر شریعتی سبزواری
حسین ابن علیؑ کا خطاب	محمد صادق نجمی
حسین ابن علیؑ مدینہ تا کربلا	محمد صادق نجمی
کلامِ امام حسینؑ کی چند کرنیں	حجت الاسلام محسن غرویان
نہج البلاغہ اور حیاتِ اجتماعی	شیخ حسن موسیٰ صفار
نوجوانوں کے لئے جاننے کی باتیں	رضا فرہادیان
ماہِ رمضان تزکیۂ نفس اور اصلاحِ کردار کا مہینہ	مجلسِ مصنفین
اسلامی تحریک قرآن و سنت کی روشنی میں	شیخ محمد حسن صلاح الدین
بہترین عشق	جواد محدثی
عباد الرحمٰن کے اوصاف	محمد محمدی اشتہاردی
عبادت و نماز	استاد شہید مرتضیٰ مطہری
توبہ کیا ہے کیسے قبول ہوتی ہے	استاد شہید مرتضیٰ مطہری
اسلام اور عصرِ حاضر کی ضروریات	استاد شہید مرتضیٰ مطہری
جہاد	استاد شہید مرتضیٰ مطہری
معنوی آزادی	استاد شہید مرتضیٰ مطہری
سیرتِ نبویؐ ایک مطالعہ	استاد شہید مرتضیٰ مطہری
جاذبہ و دافعۂ علیؑ	استاد شہید مرتضیٰ مطہری
ائمۂ اہلِ بیتؑ کی فکری و سیاسی زندگی	رسول جعفریان
خاتمیت	استاد شہید مرتضیٰ مطہری

دار الثقلین

استاد شہید مرتضیٰ مطہریؒ

استاد مرتضیٰ مطہریؒ فروری ۱۹۱۹ء میں ایران کے صوبہ خراسان کے فارایمان نامی قصبے میں پیدا ہوئے جو مشہد مقدس سے بہتر کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ ان کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے تھا اور ان کے والد حاجی شیخ محمد حسین مطہری ایک ممتاز عالم دین اور بلند کردار بزرگ تھے۔ استاد مطہری نے دینیات کی ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار ہی سے حاصل کی۔

بارہ سال کی عمر میں مرتضیٰ مطہری حوزۂ علمیہ مشہد میں داخل ہوئے اور وہاں پانچ سال تک حصولِ علم میں مشغول رہے۔ بعد ازآں وہ دینی تعلیم کے عظیم مرکز قم چلے گئے جہاں پندرہ سال تک مشہورِ عالم فلسفی علامہ محمد حسین طباطبائیؒ اور مجاہد کبیر آیت اللہ روح اللہ خمینیؒ سمیت کئی جید علما کے زیرِ تربیت رہے اور اسلامی عقائد اور فقہ کی تعلیم مکمل کی۔ پھر وہ قم سے تہران منتقل ہو گئے۔

تعلیم کے دوران استاد مطہری نے محسوس کیا کہ کمیونسٹ اسلام کے خلاف ایک خفیہ منصوبے پر عمل پیرا ہیں اور وہ اپنے ناپاک ملحدانہ نظریات اسلامی فلسفے میں شامل کرکے اور آیات قرآنی کی مادی تعبیر کرکے اس مقدس دین کو مسخ کرنے اور اس کی روح کو برباد کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ اس عظیم فتنے کا سدباب کرنے کے لئے انہوں نے مارکسی لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا تاکہ اس نظریے کا پورا پورا علم حاصل کرکے اس پر صحیح تنقید کرسکیں۔ چنانچہ انہوں نے اس موضوع پر متعدد کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان کے کچھ حصے ازبر کر لئے۔

بلاشبہ مارکسزم وہ واحد چیز نہ تھی جس کی جانب استاد مطہری نے اپنی توجہ مبذول کی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی تحریروں میں تفسیر قرآن، فلسفہ، اخلاقیات، عمرانیات، تاریخ اور کئی ایک اور موضوعات پر بھی قلم اٹھایا۔ ان کی تمام تصانیف کا حقیقی مقصد اسلام پر کیے گئے اعتراضات کا جواب دینا اور دوسرے مکاتبِ فکر کی خامیاں اور اسلام کی عظمت واضح کرنا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے مخالف نظریات رکھنے والوں کو بحث و مباحثے کی دعوت بھی دی۔ تاہم استاد مطہری کا عقیدہ تھا کہ مارکسزم اور اسی جیسے دوسرے نظریات کو باطل ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان پر علمی انداز میں تنقید کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام کا حقیقی چہرہ بھی پیش کیا جائے۔

ملحدانہ مکاتب فکر کے پیروکاروں کے لئے استاد مطہری کی سرگرمیاں ناقابلِ برداشت تھیں، چنانچہ انہوں نے آپ کو دہشت گردی کے ذریعے منظر عام سے ہٹا دینے کا فیصلہ کیا۔ بالآخر وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہوئے اور استاد مطہری یکم مئی ۱۹۷۹ء کو شہید کر دیئے گئے۔

استاد مطہری کی شہادت ایسا عظیم سانحہ تھی جس پر موتُ العالِم موتُ العالَم کا مقولہ صادق آتا ہے۔ امام خمینیؒ نے جب یہ روح فرسا خبر سنی تو شدتِ جذبات سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے اپنے تعزیتی پیغام میں فرمایا کہ "میں اپنے ایک عزیز فرزند سے محروم ہو گیا ہوں۔ میں اس شخص کی موت کا سوگ منا رہا ہوں جو میری زندگی کا حاصل تھا۔"

ہزاروں فرزندانِ توحید نے شہید کے جلوسِ جنازہ میں شرکت کی۔ انہیں حرم معصومہ قم کے احاطے میں دفن کیا گیا۔

استاد مطہری ایران کے دینی اور ادبی حلقوں کی ایک ممتاز شخصیت تھے۔ وہ ایک عرصے تک تہران یونیورسٹی میں شعبہ الٰہیات اور معارفِ اسلامی کے سربراہ رہے۔ شہادت کے وقت وہ اسلامی جمہوری ایران کی دستور ساز کونسل کے صدر کے عہدے پر فائز تھے اور اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر بہت سی معرکۃ آراء کتابیں لکھی ہیں جو فارسی، عربی، ترکی، اردو اور انگریزی زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں۔